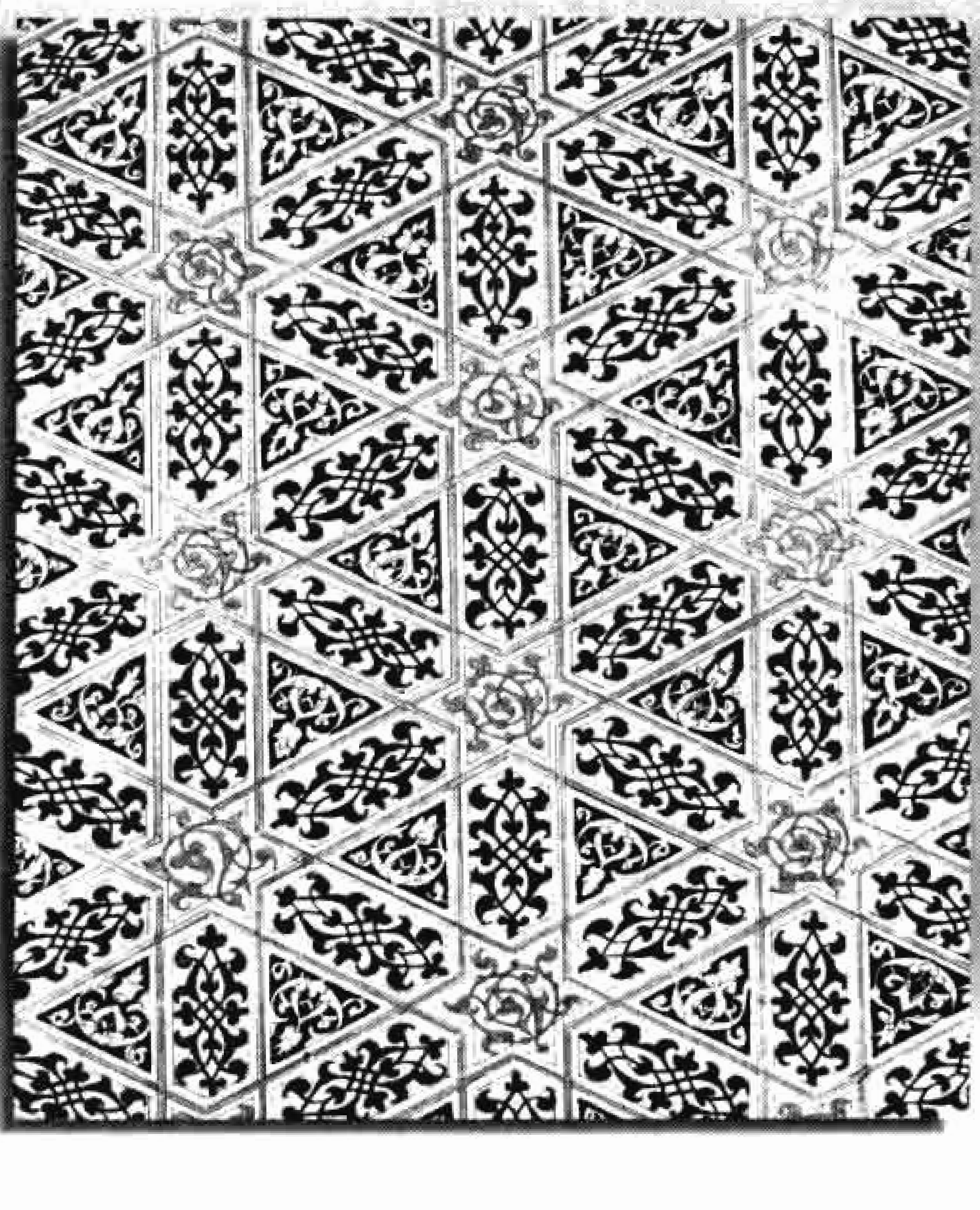
ماہنامہ

ترجمان القرآن

جاری کردہ
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

۱۹۹۸ء

مُدیر
خورشید احمد



ادارہ ترجمان القرآن

ILM

Leading into a better tomorrow

ملک وملت کی قیادت آپ کا مقدر ہے

آپ کے خواب آپ کا مستقبل ہیں

آپ کی صلاحیت، آپ کی قوت ہے

اپنے عظیم مستقبل کی بہترین تیاری کیجئے

آئی ایل ایم قیادت سازی کا منفرد ادارہ ہے جو

آپ کی صلاحیتوں کو جلا بخشتا ہے

آپ کی کارکردگی کے معیار کو بلند کرتا ہے

آپ کو معاشرہ کا قائد بناتا ہے

ہمارے تعلیمی پروگرام:

MBA: Master of Business Administration
MCS: Master of Computer Science
M.Ed: Master of Education
BBA: Bachelor of Business Administration
BCS: Bachelor of Computer Science
BTTM: Bachelor of Textile Technology & Management
B.Ed: Bachelor of Education
BIE: Bachelor of Industrial Engineering

یہ تمام پروگرام ہمدرد یونیورسٹی سے الحاق شدہ ہیں۔

Institute Of Leadership And Management

11-Aibak Block, New Garden Town, Lahore.
Tel: (92-42) 5869312-16 , Fax: (92-42) 5865802 , E-Mail: info@ilmcs,brain.net.pk

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مدیر: خورشید احمد

نائب مدیر: مسلم سجاد

جلد ۱۲۵	اگست ۱۹۹۸ء ربیع الثانی ۱۴۱۹	عدد ۸

ترتیب

○ اشارات

امریکہ میں دعوت اسلامی — خورشید احمد — ۳

○ حکمت مودودیؒ

عقلی دلیل کا مطالبہ — ۱۹

○ فہم قرآن

دعوت کے نشان راہ — خرم مراد — ۲۳

○ تزکیہ و تربیت

تربیت و تزکیہ: اہمیت و شرائط — عبدالرشید صدیقی — ۴۱

○ فقہ و اجتہاد

عدلیہ کا مقام اور اختیارات — سید معروف شاہ شیرازی — ۴۹

○ مطالعہ کتاب

پاکستان: حصار اسلام — رفیع الدین ہاشمی — ۶۱

○ اخبار امت

ایران میں اسلامی اتحاد کانفرنس — سید منور حسن — ۶۵

شام اور لیبیا کی اسلامی کانفرنسیں — عبدالغفار عزیز — ۶۷

○ رسائل و مسائل — ۷۱

○ کتاب نما — ۷۹

○ مدیر کے نام — ۸۵

ادارتی امور

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور

فون: ۷۸۴۳۶۰۵

فیکس: ۷۸۴۳۱۹۴

انتظامی امور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

فون: ۷۵۸۷۹۱۶ - ۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ ۱۵ روپے

زرسالانہ ۱۵۰ روپے

بھارت ۳۰۰ روپے

بنگلہ دیش، ایران ۳۵۰ روپے

مشرق وسطی، یورپ

مشرق بعید، افریقہ ۶۵۰ روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ۹۰۰ روپے

بنک ڈرافٹ

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن ارسال فرمائیں

باہمی تقسیم کار

اب اگر ان دونوں میں کوئی فرق باقی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ایک ہندو مہاسبھا ہے اور دوسری انڈین نیشنل کانگریس۔ مہاسبھا صریح طور پر ہندوؤں کی جماعت ہے۔ کوئی مسلمان اس میں شریک نہیں ہو سکتا' نہ وہ مسلمانوں کو اپنی طرف دعوت دے سکتی ہے' نہ مسلمانوں میں جا کر ماس کانٹیکٹ کر سکتی ہے' نہ کسی صوبے کی حکومت پارٹی سسٹم کی بنیاد پر قائم کر سکتی ہے' نہ کہیں خالص ہندو وزارت قائم کر کے یہ دعویٰ کر سکتی ہے کہ یہ "قومی وزارت" ہے' نہ واردھا اسکیم اور ودیا مندر اسکیم بنا کر مسلمانوں پر انھیں مسلط کرنے کی جرات کر سکتی ہے' نہ یہ دعویٰ کر سکتی ہے کہ ڈاکٹر مونجے اور بھائی پرمانند مسلمانوں کے بھی ویسے ہی نمایندے ہیں جیسے ہندوؤں کے ہیں' نہ اسلامی اکثریت کے صوبوں میں وزارت پر اپنا کنٹرول قائم کر سکتی ہے' اور نہ اقلیت ہی کے صوبوں میں یہ اقتدار حاصل کر سکتی ہے کہ مسلمان وزرا کو اپنی گرفت میں جکڑ کر رکھے اور ذرا سے انحراف پر ان کی گوشمالی کر دے---- کانگریس یہ سب کچھ کر سکتی ہے کیونکہ وہ ہندو مہاسبھا نہیں ہے' بلکہ "انڈین نیشنل کانگریس" ہے۔

اس فرق کے ساتھ یہ دونوں ایک دوسرے کے نقص کی تکمیل کر رہی ہیں۔ جو کام کانگریس کر سکتی ہے' وہ مہاسبھا نہیں کر سکتی اور جو مہاسبھا کر سکتی ہے وہ کانگریس نہیں کر سکتی۔ کانگریس پیش قدمی کرنے والی فوج ہے جو آگے بڑھ کر غنیم کے علاقے پر قبضہ کرتی ہے' اور مہاسبھا وہ محافظ دستہ ہے جو عقب میں رہتا ہے تاکہ آگے کی فوج کو حسب ضرورت مدد پہنچاتا رہے۔ کانگریس پر جب کبھی مشترک وطنی جماعت ہونے کی وجہ سے دباؤ پڑتا ہے' ہندو مہاسبھا فوراً آگے بڑھ کر اس کی پشت کو سہارا دیتی ہے اور مسٹر ساورکر' ڈاکٹر مونجے' بھائی پرمانند وغیرہ شور مچانے لگتے ہیں کہ ہندوؤں کے نمایندے ہم ہیں' گاندھی جی یا جواہر لال نہیں ہیں۔ ایسے نازک مواقع کے لیے اگر عقب میں محفوظ فوج موجود نہ ہو تو مقدمۃ الجیش کو اپنی "قوم پرستی" کا دعویٰ نبھانا مشکل ہو جائے۔ محفوظ فوج کی مدد کام بھی نکل دیتی اور بات بھی بنی رہتی ہے۔

(اشارات' سید ابوالاعلیٰ مودودی' ترجمان القرآن' جلد ۱۲' عدد ۶' جمادی الاخریٰ ۱۳۵۷ھ' اگست ۱۹۳۸ء)

3

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

امریکہ میں دعوت اسلامی

امکانات' اہداف اور مشکلات

خورشید احمد

جولائی ۱۹۹۸ کا بیشتر حصہ مدیر ترجمان القرآن نے امریکہ کے دعوتی دورے میں گزارا اور یہ اشارات کیلیے فورنیا' آرنج کونٹی میں دوران سفر سپرد قلم کیے جا رہے ہیں۔ اسی مناسبت سے امریکہ میں دعوت اسلامی سے متعلق چند مباحث کو موضوع گفتگو بنایا جا رہا ہے۔ گو اصل موضوع امریکہ میں دعوت اسلامی ہے' لیکن آج پاکستان اور پوری امت مسلمہ کو جو چیلنج درپیش ہیں' ان کا ان مباحث سے براہ راست تعلق ہے۔

امریکہ کا یہ دورہ خاصے عرصے کے بعد ہو رہا ہے' جس نے تازہ ترین صورت حال کو سمجھنے اور دیکھنے کا مفید موقع فراہم کیا ہے۔ گذشتہ تیس برسوں میں مجھے اس سرزمین پر پندرہ بیس مرتبہ آنے کا اتفاق ہوا ہے۔ آخری دورہ کئی سال پہلے واشنگٹن میں ایک عالمی کانفرنس میں شرکت کے لیے ہوا تھا۔ جس کے بعد صحت کی خرابی اور دوسری ذمہ داریوں کی وجہ سے بار بار کے تقاضوں اور دعوت ناموں کے باوجود' اس طرف آنا ممکن نہ ہوا۔ شمالی امریکہ کے حلقہ اسلامی (ICNA)' شمالی امریکہ کی اسلامی سوسائٹی (ISNA)' مسلمان سوشل سائنس دانوں کی تنظیم (Association of Muslim Social Scientists) اور عالمی ادارہ فکر اسلامی (International Institute of Islamic Thought) سے الحمدللہ میرا قریبی تعلق رہا ہے اور ماضی میں ان کے اہم پروگراموں میں شرکت کرتا رہا ہوں۔ اس بار خاصے وقفے کے بعد شریک محفل ہوا۔

امریکی فنانس ہاؤس لاربا (American Finance House - La Riba) نے اپنا اس سال کا ایوارڈ' جو اسلامی معاشیات اور مالیات کے بارے میں خدمات کے اعتراف میں گذشتہ پانچ برسوں سے دیا جا رہا ہے' مجھے دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس ایوارڈ کو وصول کرنے کی تقریب یہاں پاسادینا (Pasadena) کیلیے فورنیا میں ۱۱ جولائی

کو منعقد ہوئی۔ اس سے ایک ہفتہ پہلے اکنا (ICNA) کا تیئسواں سالانہ کنونشن پٹزبوگ کے مقام پر ۳ تا ۵ جولائی منعقد ہوا جس کا اس سال کا موضوع "خاندان کی بازیافت" (Rediscovering Family) تھا۔ اس میں مجھے تین تقاریر کا موقع ملا۔ نیویارک' آرنج کونٹی اور سان ہوزے میں مسلم آبادیوں کے اجتماعات سے خطاب کی سعادت نصیب ہوئی۔ درجنوں ساتھیوں اور احباب سے تبادلہ خیال کا موقع ملا۔ آخری پروگرام ہوسٹن میں منعقد ہوا جو اسلامی مالیات پر امریکہ میں پہلی عالمی کانفرنس میں شرکت اور کلیدی خطاب تھا۔ یہ کانفرنس ایسوسی ایشن آف مسلم سوشل سائنٹسٹ' رائس یونی ورسٹی اور اسلامی ترقیاتی بنک کے مشترک اہتمام میں منعقد ہوئی۔ اس میں معاشیات و بنک کاری کے ماہرین کے علاوہ فنانس اور بنک کاری سے متعلق اعلیٰ سطح کے مسلمان اور غیر مسلم افسروں (executives) نے بھی بڑے پیمانے پر شرکت کی۔

امریکہ میں یہ مصروف اٹھارہ دن' اس پہلو سے بڑے مفید رہے کہ یہاں تحریکی ساتھیوں اور مسلم کیمونٹی کے ہر سطح اور ہر مکتب خیال کے دوستوں سے ملنے اور تبادلہ خیال ہوا اور تازہ ترین صورت کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ فطری طور پر اس پورے عرصے میں غوروفکر اور بحث و گفتگو کا موضوع امریکہ میں دعوت اسلامی اور اس کو درپیش چیلنج رہا۔ البتہ پاکستان کے ایٹمی دھماکے اور معاشی پابندیوں کے موضوع بھی تقریباً ہر کانفرنس اور ہر محفل میں زیر بحث آئے اور الحمدللہ ان کے بارے میں تحریک اسلامی اور پاکستان کی پوزیشن کو واضح کرنے کا مفید موقع ملا۔ لاس اینجلز ٹائمز کی اکنامک ایڈیٹر سے ۱۱ جولائی کی تقریب میں نہایت مفید گفتگو ہوئی۔ نیز اسلامی اور بلاسود بنک کاری اور اس کے مسائل مسلسل بحث و گفتگو کا موضوع رہے۔

آج اگر ایک طرف وہ ۵۶ آزاد مسلمان ملک ہیں جن میں تقریباً ۹۰ کروڑ مسلمان بستے ہیں اور وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی اسلامی خطوط پر تشکیل نو کے لیے کوشاں ہیں تو دوسری طرف ۸۵ مسلمان آبادیاں ہیں جن کی مجموعی آبادی ۴۰ کروڑ ہے۔ اپنے ملک میں خواہ اقلیت میں ہوں لیکن وہ بھی اپنے اپنے طور پر اسلامی زندگی کی تشکیل و تعمیر کے لیے مسلسل جدوجہد میں مصروف ہیں ـــــ اس وجہ سے امریکہ کے حالات پر گفتگو دراصل امت مسلمہ کے ایک بڑے حصے کے حالات اور مسائل کو سمجھنے اور مستقبل کی راہیں تلاش کرنے میں مددگار ہو سکتی ہے۔

امریکہ کی خصوصی اہمیت کئی وجوہ سے ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز تک امریکہ ایک علاقائی طاقت تھا اور اس کی دلچسپی کا اصل دائرہ براعظم امریکہ یعنی شمال میں کینیڈا اور وسطی اور جنوبی امریکہ کے ممالک اور جزائر تک محدود تھا۔ اس فکر کا عکاس وہ نظریہ تھا جسے نظریہ منرو (Monroe Doctrine) کہتے ہیں یعنی شمالی

اور جنوبی اور وسطی امریکہ پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ (USA) کو بالادستی حاصل ہے' یہاں کوئی دراندازی نہ کرے اور باقی علاقوں سے امریکہ کو چنداں دلچسپی نہیں۔ ۱۸۹۸ میں امریکہ اور اسپین کے درمیان جنگ (Spainish - American War) اس حصار کو توڑنے اور امریکہ کے عالمی کردار کا آغاز کرنے کا باعث ہوئی۔ ہوائی (Hawai) تو امریکہ کا حصہ بن گیا اور فلپائن آزاد ہو کر بھی دام میں گرفتار رہا۔ البتہ اب یورپ اور پھر ایشیا آہستہ آہستہ امریکہ کی جولاں گاہ بن گئے۔

پہلی عالمی جنگ کا فیصلہ امریکہ کے ساڑھے تین لاکھ فوجیوں کی جنگ میں عملی شرکت سے ہوا اور یورپ کی سیاست پر امریکہ کی قوت کے بادل چھا گئے۔ پھر دوسری جنگ میں پرل ہاربر پر جاپانی حملے نے امریکہ کو جنگ میں عملاً شریک بنا دیا۔ اس نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرانے کا "کارنامہ" انجام دیا۔ اس سے دوسری جنگ کے اختتام تک دنیا کا سیاسی نقشہ تبدیل ہو گیا۔ یورپی اقوام جو پچھلے پانچ سو سال تک یورپ اور باقی دنیا پر حکمران تھیں اور علاقائی اور عالمی قوتوں کا رول ادا کر رہی تھیں' منقار زیر پر ہو گئیں' چین اور جاپان جو ایشیا کی قوتوں کی حیثیت سے ابھر رہی تھیں محکوم اور مغلوب ہو گئیں اور دو نئی عالمی طاقتیں دنیا پر چھا گئیں' یعنی امریکہ اور روس۔ پچاس سالہ سرد جنگ کے بعد اور جہاد افغانستان کی آخری ضرب کے نتیجے میں روس کی قوت منتشر ہو گئی' مشرقی یورپ اور وسطی ایشیا اس کے چنگل سے آزاد ہو گئے اور امریکہ دنیا کی واحد سوپر پاور بن کر سامنے آیا۔

امریکہ کے عالمی رول کا اگر گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس میں دو چیزیں نمایاں نظر آتی ہیں: ایک سیاسی اور معاشی غلبہ و استیلا جو تمام ہی سامراجی قوتوں کا خاصہ رہا ہے' اور دوسرے ایک نظریے اور پیغام کی علم برداری' جس میں تمام سامراجی طاقتوں کا کردار ایک سا نہیں رہا۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد امریکہ نے جمہوریت کی ترویج' قوموں کے حق خود ارادیت کی تائید اور ایسے عالمی اداروں کے قیام کی آواز اٹھائی جو عالمی امن کی ضامن ہوں اور بین الاقوامی قانون کے احترام کا ذریعہ بن سکیں۔ صدر ووڈرو ولسن کے چودہ نکات اور لیگ آف نیشنز کا تصور اسی امریکی پیغام کے عکاس تھے۔ لیکن بہت جلد خود امریکہ میں ووڈرو ولسن کی تائید کمزور پڑ گئی' لیگ آف نیشنز کا سب سے بڑا علم بردار اور موید ہونے کے باوجود امریکہ اس کا ممبر نہ بنا۔ یورپ میں جمہوریت نہیں بلکہ آمریت کی فتح کے دور کا آغاز ہوا اور کیمونزم اور فاشزم کی شکل میں بدترین آمرانہ نظام وجود میں آئے۔

امریکہ ایک بہت بڑی معاشی قوت تھا۔ پہلی جنگ کے بعد دنیا کی کل پیداواری دولت (GDP) کا ۳۳ فی صد صرف امریکہ میں تھا جبکہ امریکہ کی آبادی کبھی بھی' دنیا کی آبادی کے ۶ فی صد سے زیادہ نہ تھی۔ امریکہ کے سیاسی اثرات کی بنیاد اس کی معاشی قوت لیکن بڑی جنگوں کے درمیان بڑے شان دار آغاز کے باوجود

امریکہ کا سیاسی کردار محدود رہا۔ دوسری جنگ کے بعد صورت حال مختلف تھی۔ یورپ کی تمام روایتی طاقتیں پژمردہ اور مضمحل تھیں۔ امریکہ نے دونوں جنگوں میں فیصلہ کن شرکت تو ضرور کی مگر خود میدان جنگ کبھی نہیں بنا۔ اس لیے اس تباہی سے محفوظ رہا جو جنگ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ قصہ مختصر یورپ اور ایشیا میدان جنگ تھے اور تباہ حال۔ روس بھی فتح کے باوجود زخم خوردہ تھا مگر امریکہ بہت زیادہ تازہ دم رہا۔ اس لیے دوسری جنگ کے بعد اس کا عالمی کردار برابر بڑھتا گیا۔ اس دور میں بھی اس نے ایک نظریاتی پوزیشن اختیار کی اور امریکہ اور روس کی سرد جنگ نظریاتی سطح پر سرمایہ دارانہ جمہوریت اور اشتراکی آمریت کی جنگ بن گئی۔

سرمایہ داری' منڈی کی معیشت کی بالاتری (superiority)' انسانی حقوق' آزادی اور جمہوری اداروں کی خوبیاں موضوع بحث رہے اور اس طرح سیاسی بالادستی کی لڑائی کا ایک نظریاتی آہنگ بھی رہا۔ افغانستان میں روس کی شکست کے بعد منتشر اور غیر موثر ہو جانے کے بعد امریکہ کے اہل علم اور حکمت عملی ساز اداروں نے دنیا کو یہی نعرہ دیا کہ اب لبرل ڈیموکریسی کو آخری بالادستی حاصل ہو گئی ہے' مارکیٹ کی معیشت ہر مسئلے کا حل ہے اور امریکہ کو دنیا کے دوسرے نظاموں پر نظریاتی فتح حاصل ہوئی ہے۔ فرانسس فاکویاما اور سیموئیل ہنٹنگ ٹن اس کے سب سے بڑے مبلغ تھے۔ امریکہ کی حکومت نے جارج بش ہی کی صدارت میں اپنے نئے عالمی نظام (New World Order) کو شہ تاج کی حیثیت دے ڈالی' اور بیسویں اور اکیسویں صدی کو امریکہ کی صدی قرار دے دیا گیا۔ امریکہ کا ایک مشہور اور باثر سیاسی قلم کار مارٹی میر زوکرمن (Mortimir Zuckerman) جو یو - ایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ کا چیف ایڈیٹر اور دی نیویارک ڈیلی نیوز کا ناشر اور چیئرمین ہے' وہ مشہور رسالہ فارن افیئرز (Foreign Affairs) کے مئی-جون ۱۹۹۸ کے شمارے میں A Second American Century کے عنوان سے رقم طراز ہے اور ہمیں اس نتیجے پر پہنچانا چاہتا ہے کہ :

> سانویں صدی فرانس کی تھی' انیسویں برطانیہ کی' اور بیسویں امریکہ کی۔ ۲۱ ویں بھی امریکہ کی ہو گی (ص -۳۱)

اس وقت دنیا کی کل پیداوار میں امریکہ کا حصہ ۲۵ فی صد ہے جو اگلے ۱۲ سال (۲۰۱۰) میں ایک اندازے کے مطابق' کم ہو کر ۲۰ فی صد رہ جائے گا لیکن پھر بھی کل دنیا کی پیداوار کے پانچویں حصے پر قابض ہونے کے باعث' امریکہ توقع رکھتا ہے کہ اگلی صدی میں بھی اس کی سب سے بڑی معاشی قوت کی حیثیت برقرار رہے گی۔ معیشت کے ساتھ ساتھ ثقافت اور تہذیب و تمدن کے میدان میں بھی وہ دنیا پر چھایا ہوا ہے۔ لباس میں جینز' کھانوں میں میکڈونلڈ' پیزاہٹ (pizzahut)' مشروبات میں کوکا کولا اور پیپسی اور فلمی میدان میں ہالی ووڈ اور والٹ ڈزنی اسی عالمی غلبے کی علامت ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ نیوکلیر استعداد پر اجارہ داری' حقوق

کے باب میں چودھراہٹ اور ایک تازہ امریکی قانون کے تحت مذہبی تفریق کے الزام پر دنیا کے دوسرے ممالک پر معاشی پابندیاں لگانے کا اختیار، نیز منشیات اور تشدد و دہشت گردی کے نام پر دنیا کے دوسرے ممالک پر امریکی قوانین زبردستی نافذ کرنے کا زعم اور منصوبہ---- یہ سب چیزیں پوری دنیا پر ایک عالمی طاقت کی بالادستی کو بدستور قائم رکھنے کے منصوبوں کا حصہ ہیں۔ بلاشبہ امریکہ کے حکمرانوں کا ہدف امریکہ کو واحد اور ناقابل چیلنج عالمی قوت کے طور پر برقرار رکھنا ہے۔ امریکہ کے قومی سلامتی کے سابق مشیر اور جان ہاپکن یونی ورسٹی کے پروفیسر زبگینو برزنسکی نے اپنی تازہ ترین کتاب میں اسے بڑے کھلے لفظوں میں بیان کیا ہے:

> مختصر یہ کہ امریکہ کی پالیسی کا ہدف کسی معذرت کے بغیر دو طرفہ ہونا چاہیے۔ اول: امریکہ کی غالب حیثیت کو کم سے کم ایک نسل اور ترجیحاً اس سے بھی زیادہ کے لیے برقرار رکھنا، اور دوم: ایک ایسی جغرافیائی سیاسی صورت حال پیدا کرنا جو سیاسی اجتماعی تبدیلیوں کے دھچکوں اور تناؤ کو جذب کرے اور ساتھ ہی دنیا کے پرامن انتظام کے لیے مشترکہ ذمہ داری کی جغرافیائی سیاسی بنیاد بنے۔

The Grand Chessboard: American Primacy and Geostrotic Imperatives)

برزنسکی، Beni Books نیویارک ۱۹۹۷، ص ۲۱۵)

اس سلسلے میں پروفیسر برزنسکی عسکری اور معاشی قوت کے ساتھ این جی اوز اور ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کے عالمی جال اور ہالی ووڈ کلچر کی عالمی یلغار کو بے حد ضروری سمجھتے ہیں۔ نیز اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ یورپ اور ایشیا سے کوئی مقابلے کی قوت نہ ابھرنے پائے۔ یعنی:

> یہ لازمی ہے کہ یورپ اور ایشیا سے اب کوئی چیلنج سامنے نہ آئے جو یورپ اور ایشیا پر غلبہ حاصل کرنے، اور اس طرح امریکہ کو چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ (صفحہ xiv)

تب ہی وہ بات ممکن ہو سکے گی جسے اس ساری تگ و دو کا حاصل اور اس کتاب کا ٹیپ کا بند کہا جا سکتا ہے:

"Geostatic success in that case would represent a fitting legacy of America's role is the first only last truely global power. (p 215)

> اس لحاظ سے مکمل کامیابی، واحد اور اول و آخر حقیقی عالمی قوت ہونے کی حیثیت سے امریکہ کے کردار کا قرار واقعی اظہار ہو گا۔ (ص ۲۱۵)

یہ تو ہیں امریکی قیادت کے عزائم! لیکن دیکھنے کی ضرورت یہ ہے کہ اس وقت دنیا کو جو چیلنج درپیش ہیں، کیا فی الحقیقت اس حکمت عملی سے ان کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے؟ گذشتہ دس سال میں منڈی کی معیشت کی ایسی کمزوریاں ایک بار پھر کھل کر سامنے آگئی ہیں، جو سوچنے سمجھنے والے دماغوں کو مضطرب کیے ہوئے ہیں اور وہ

کسی ایسے نظام کی تلاش میں سرگرداں ہیں جو منڈی کی معیشت کے مثبت پہلوؤں کی حفاظت کرتے ہوئے اس کے نتیجے میں رونما ہونے والے مسائل یعنی بڑھتی ہوئی معاشی ناہمواریوں، علاقائی اور عالمی امیروں کا امیر تر اور غریبوں کا غریب تر ہوتے چلے جانا، مالیاتی عدم استحکام کا تدارک ہو سکے۔ دنیا کے مالیاتی نظام عدم استقرار (unstability) کا شکار ہیں اور یہ دنیا کے بڑے بڑے ملکوں کی معیشت کو تہ و بالا کر رہا ہے۔ میکسیکو چار برس پہلے، فرانس اور برطانیہ دو برس پہلے اور جاپان، کوریا، انڈونیشیا، فلپائن، تھائی لینڈ، ملائیشیا ایک برس سے اس تجربے سے گزر رہے ہیں۔ آئی ایم ایف کی دوا غیر موثر ہو گئی ہے۔ قرضوں کا بار بڑھ رہا ہے۔ خود امریکہ ۵ ہزار بلین ڈالر سے زیادہ کا مقروض ہے۔ ترقی پذیر ملکوں کا قرضہ ۲ ہزار ۲ سو بلین ڈالر سے بڑھ گیا ہے اور ہر سال صرف سود کی شکل میں وہ ۲۶۰ بلین ڈالر ادا کر رہے ہیں، جو ان کو ملنے والی معاشی امداد اور سرمایہ کاری سے کہیں زیادہ ہیں۔ ترقی یافتہ دنیا کی معیشت بلبلے کی شکل اختیار کر گئی ہے جو اچانک کسی وقت بھی پھٹ سکتا ہے۔ آج صرف مبادلہ خارجہ کی سندات (derivatives) کی یومیہ تجارت ایک ہزار بلین ڈالر سے زیادہ ہے جو اصل اشیا کی یومیہ عالمی تجارت سے ۳۰ گنا زیادہ ہے اور اس طرح محض کاغذی اثاثے assets اور سٹے کی تجارت (speculation) کے ذریعے دنیا کے مالیاتی نظام پر چند بنک اور سرمایہ کار چھا گئے ہیں اور جسے چاہیں چشم زدن میں دیوالیہ بنا سکتے ہیں۔ بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ مشہور سٹہ باز جارج سوروس (George Soros) بھی پکار اٹھا ہے:

> بین الاقوامی مالیاتی نظام منظم توڑ پھوڑ کا شکار ہے۔ صورت حال کو سنبھالنے کے لیے آئی ایم ایف کے پروگرام نتیجہ خیز نہیں ہوئے۔ (فنانشل ٹائمز، لندن، دسمبر ۳۱، ۱۹۹۷)

دوسرے الفاظ میں آج سرمایہ داری اور معاشی لبرلزم نئے عالمی پیغام کا عنوان بننے کی اہلیت کھو چکے ہیں۔

امریکہ کے اندرونی محاذ پر بھی غیر معمولی تبدیلیاں آئی ہیں۔ اس سال کی کساد بازاری کے بعد اب معیشت روبہ ترقی ہے لیکن یہ رو ابھی وقتی اور غیر مستحکم ہے اور جاپان اور مشرقی ایشیا کے حالات نے اسے متاثر کرنا شروع کر دیا ہے۔ بجٹ کا خسارہ ختم ہو رہا ہے مگر قرضوں پر سود کی شکل میں سالانہ ۲۸۰ بلین ڈالر کا بوجھ ہے۔ حکومت اور عام شہری قرض کے جال میں حسب سابق پھنسا ہوا ہے۔ یہ قرضے اب قومی دولت کا ۹۱ فی صد ہو گئے ہیں۔ اس سے بڑھ کر سماجی اور معاشرتی انتشار ہے۔ آبادی کی ترکیب (composition) مسلسل بدل رہی ہے۔ افریقی امریکن کل آبادی کا ۱۲ فی صد ہیں، ۶ فی صد ایشیائی ہیں، میکسیکو اور لاطینی امریکہ سے اتنے لوگ آ گئے ہیں کہ بستیوں کی بستیاں ہسپانوی زبان اور کلچر کا گہوارہ بن گئی ہیں اور ملک کے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں رہا کہ کھل کر ایک کثیر لسانی، کثیر نسلی، کثیر مذہبی اور کثیر ثقافتی ملک کی حیثیت سے

سوچے اور ترقی کرے۔ نسلی تفریق، ساری قانونی اور اداراتی اصلاحات کے باوجود ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اس کے نتیجے میں مزاحمتی اور تصادم آمیز کیفیت رونما ہو رہی ہے۔ بڑی طاقتیں جس سماجی ارتباط اور اتصال (cohesion) کی بنا پر اندرونی تناؤ اور ٹکراؤ سے محفوظ رہی ہیں وہ اب باقی نہیں۔ جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے اور خاندان کا شیرازہ منتشر ہے۔ جذباتی ہیجان، ذہنی امراض اور جنسی بیماریاں معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہی ہیں۔ جذباتی اور روحانی خلا، ایمان کی کمی، مشترک عزائم کا فقدان، تہذیب و تمدن کے لیے خطرہ بن رہے ہیں۔ فوج کیل کانٹے سے لیس ہے مگر لڑنے کے جذبے اور قربانی کی دولت سے محروم ہے جس کا تجربہ ویت نام ہی نہیں، لبنان اور حال ہی میں صومالیہ میں ہوا۔ اس کا نتیجہ ہے کہ انسان کے بجائے مشینی جنگ پر انحصار بڑھ رہا ہے۔ یہ اور متعلقہ حالات تصویر کا دوسرا رخ پیش کرتے ہیں جن کی روشنی میں امریکی معاشرے میں اسلامی دعوت کے کام کی اہمیت بالکل ایک دوسری نوعیت اختیار کر لیتی ہے۔

تاریخی اعتبار سے مسلمان کئی ادوار میں براعظم امریکہ میں آئے۔ پہلی اہم ترین لہر اسپین سے ابھری اور جنوبی وسطی امریکہ تک پہنچی۔ پھر انیسویں صدی میں یورپ، مشرق وسطی اور وسطی ایشیا سے مسلمان اس سرزمین پر آئے لیکن ان دونوں لہروں کے اثرات بہت جلد کمزور بلکہ معدوم ہو گئے۔ پھر ایک لہر وہ بھی تھی جس میں افریقہ کے مسلمانوں کو غلام بنا کر لایا گیا اور ان سے ان کی آزادی کے ساتھ ان کا دین، ان کی زبان، ان کی تہذیب ہر چیز چھین لی گئی۔ آج کے افریقی امریکی (Afro-Americans) اس دور کی پیداوار ہیں اور اب اپنی اصل (roots) کی تلاش میں ہیں۔ دوسری جنگ کے بعد اور خصوصیت سے گذشتہ تیس سال میں بڑی تعداد میں مسلمان دنیا کے گوشے گوشے سے امکانات کی اس سرزمین پر آئے۔ اس طرح تقریباً ۴۰ لاکھ مسلمان شمالی امریکہ میں مکین ہیں جو آبادی کا ۳ فی صد بنتے ہیں۔ اسلام اور مورمون مذہب دو تیزی سے پھیلنے والے مذاہب شمار کیے جاتے ہیں۔ ایک ہزار سے زیادہ مساجد آباد ہیں اور ہر علاقے میں مسلمانوں کے دینی، تعلیمی، رفاہی ادارے قائم ہو رہے ہیں۔ ملک میں بنیادی آزادیاں سب شہریوں کو حاصل ہیں۔ باہر سے آنے والے مسلمان بالعموم تعلیم یافتہ اور باہنر ہیں اس لیے سوسائٹی میں وہ ایک مقام حاصل کر رہے ہیں اور ان شاء اللہ آہستہ آہستہ ایک موثر قوت کی شکل اختیار کر لیں گے۔

شروع میں باہر سے آنے والے مسلمانوں کا خیال تھا کہ ان کا قیام عارضی ہے اور تعلیم یا ملازمت کی ایک مدت پوری کرنے کے بعد اپنے اپنے وطن کو لوٹ جائیں گے، لیکن ان تیس برسوں میں جو جوہری فرق واقع ہوا ہے وہ یہ ہے کہ "مہاجرت" کی ذہنیت تقریباً ختم ہو گئی ہے اور یہاں آباد ہونے اور اس زمین کا حصہ بن کر اپنا کردار ادا کرنے کا تصور جڑ پکڑ گیا ہے۔ باہر سے آئے ہوئے مسلمان اور مقامی مسلمان، دونوں

مل کر ایک مضبوط مسلم کمیونٹی بننے کا داعیہ رکھتے ہیں۔ علیجاہ محمد کی بلیک مسلم تحریک کا ایک حصہ اب بھی کچھ تبدیلیوں کے ساتھ نیشن آف اسلام کے طور پر فرخان کی قیادت میں کام کر رہا ہے۔ لیکن ان کے بڑے بڑے گروہ یا افراد اپنے طور پر حقیقی اسلامی تعلیمات کا سراغ پاکر مسلمانوں کی سی زندگی بسر کرنے اور ایک الگ برادری وجود میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں یا بقیہ مسلم آبادی میں ضم ہو رہے ہیں اور اس طرح ایک اپنی شناخت رکھنے والی مسلم برادری وجود میں آ رہی ہے۔ اب اسلام امریکہ کی سرزمین پر کوئی باہر سے در آمد قوت نہیں بلکہ اس ملک کا ایک حصہ ہے۔ یہ بڑی اہم تبدیلی ہے جسے میں نے محسوس کیا ہے۔

'اسلام' اور 'مسلمان' کا رشتہ بڑا نازک ہے۔ بلاشبہ مسلمان وہ ہے جو اسلام کو قبول کرے' اپنی زندگی اللہ کی بندگی میں دے اور اسے ان مقاصد کے لیے وقف کر دے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کے مقاصد مقرر کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان اسلام کے تابع ہے' اسلام مسلمانوں کے تابع نہیں۔ جن مغربی مفکرین نے اسلام کی یہ تعریف کی ہے کہ اسلام وہ ہے جو کچھ مسلمان کریں' (جیسے ولفریڈ اسمتھ) انھوں نے بڑی ٹھوکر کھائی ہے۔ مسلمانوں کو اسلام کا نمونہ ہونا چاہیے اور معیاری اور مطلوبہ مسلمان وہی ہے جس کی زندگی اسلام کی عکاس اور آئینہ دار ہو۔ اسلام تو ایک معیار اور کسوٹی ہے۔ یہ اللہ کی ہدایت کا نام ہے۔ یہ وہ دین ہے جو تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا علیہم السلام کے ذریعے اور اپنی مکمل شکل میں اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بھیجا اور جو اپنی اصل شکل میں قرآن و سنت میں محفوظ ہے۔ مسلمان وہ ہیں جن کو یہ امانت سونپی گئی ہے کہ وہ خود بھی اس دین پر چلیں اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبے میں قائم کرنے کی جدوجہد کریں' اسے پوری انسانیت تک پہنچائیں اور شہادت حق کا فریضہ انجام دیں۔ اسلام کوئی نسلی مذہب نہیں ہے اور نہ اس پر مسلمانوں کی اجارہ داری ہے۔ خود قرآن نے کہا ہے کہ اگر تم اس دین کا حق ادا نہیں کرو گے تو ہم دوسروں کو اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے مامور کر دیں گے۔ کتنے ہی سرفراز ہیں جو پس پردہ چلے جائیں گے اور کتنے ہی پیچھے ہیں جو قیادت سے سرفراز کیے جائیں گے۔ بنی اسرائیل کو امانت میں خیانت کے جرم میں امامت سے معزول کیا گیا اور امت مسلمہ کو اس منصب پر فائز کیا گیا۔ خود مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے کہ کس طرح مختلف علاقوں' قوموں اور نسلوں کو بلند و پست کیا جاتا رہا اور: ع

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانوں سے

جس طرح اللہ' رب المشرقین ورب المغربین ہے' رب العالمین ہے اور ہمارے قائد و رہنما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے لیے (للناس اجمعین) مبعوث کیے گئے اور تمام عالموں کے لیے

رحمت ہیں' اسی طرح یہ امت بھی کسی ایک علاقے اور جغرافیائی حصے کی اسیر نہیں۔ ساری زمین اللہ کی ملک اور حضور اکرمؐ کے ارشاد کے مطابق مالک کی مسجد کے مانند ہے اور مسلمان کا حق ہی نہیں اس پر فرض ہے کہ وہ زمین کے ہر ہر چپے تک اسلام کے پیغام کو پہنچائے اور وہاں اسلامی زندگی کے قیام کی کوشش کرے۔ اسلام کے اس پیغام اور اس تصور کو دور حاضر کی اسلامی تحریکات نے بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے اور الحمدللہ آج پوری دنیا میں مسلمان بڑی حد تک اس تصور کی علم برداری کر رہے ہیں۔

فقہا نے اپنے دور میں دارالاسلام' دارالحرب' دارا لکفر اور دارالامن کی جو اصطلاحات وضع کی تھیں وہ مبنی برحق تھیں لیکن آج کے حالات میں' دنیا کے تمام ہی ممالک کے اقوام متحدہ کی رکنیت اختیار کرنے' ایک دوسرے کو قبول کرنے اور باہم سفارتی تعلقات اور تجارتی معاملات استوار کرنے' نقل و حرکت کے ضوابط میں اشتراک اور قانون کی بالادستی اور حقوق کی ضمانت کے باب میں خاص روایات قائم ہو جانے سے جو صورت پیدا ہوئی ہے' اس کو سامنے رکھ کر دعوت اسلامی کے مقاصد کے حصول کے لیے مناسب حکمت عملی کی تشکیل ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشہور عالم اور داعی علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے پوری دنیا کو دارالدعوۃ قرار دیا ہے۔ دور رسالت مآبؐ میں حبشہ کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا گیا وہ ہمارے لیے مثال ہے۔ بعد میں صحابہ کرامؓ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے مسلمان تاجر' داعی اور مبلغ دنیا کے گوشے گوشے میں گئے' اسلام کا پیغام پہنچایا' مسلمان بستیاں قائم کیں جو فروغ اسلام کی تحریک کا بیج بن گئیں۔ گجرات' موپلہ اور سری لنکا سے لے کر کینٹون اور شنگھائی تک مسلمان بستیاں وجود میں آئیں۔ اس تاریخی روایت کی روشنی میں امریکہ' یورپ اور دوسرے ممالک میں دعوت اسلامی کو منظم انداز میں پیش کرنے اور مسلم آبادیوں کو منظم اور مضبوط کرنے کے مسائل پر غور ہونا چاہیے۔

ایک اور نازک مسئلہ امت مسلمہ اور مغربی اقوام کے تعلق کا ہے۔

مغرب اور خود امریکہ کے ہاتھوں جو کچھ اسلامی دنیا پر گزرا ہے اور گزر رہا ہے وہ ایک حقیقت ہے اور اس کا مقابلہ مسلم عوام اور حکومتوں کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں ضروری ہے کہ امریکہ اور یورپی ممالک کی حکومتوں اور وہاں کے عوام میں فرق کو ملحوظ رکھا جائے۔ ہماری تنقید کا ہدف ان ممالک کی قیادتیں اور ان کی سامراجی اور ظالمانہ پالیسیاں ہیں۔ لیکن صاحب دعوت امت کی حیثیت سے ہماری ذمہ داری ہے کہ جس طرح اللہ کے رسولوں نے گمراہ قوموں سے برسرجنگ ہونے کے باوجود ان قوموں کے عوام الناس تک دعوت پہنچائی اور ان کو جہنم اور کفر کی آگ سے بچانے کی خدمت پوری دل سوزی اور ہمدردی سے انجام دی' اسی طرح ہم بھی عام انسانوں کو دشمن نہ سمجھیں بلکہ ان تک اپنا پیغام پہنچانے اور ان کی اور اس

سوسائٹی کی اصلاح کی کوشش کریں۔ یہ بڑا نازک کام ہے مگر دونوں کام اپنے اپنے طور پر صحیح خطوط پر انجام پانے چاہییں اور کسی ایک کو دوسرے پر قربان کر دینا صحیح نہیں ہو گا۔ دعوت دین تو ہمیں ظالم اور جابر حکمرانوں تک بھی پہنچانی ہے، لیکن حکمرانوں کے ظلم کی وجہ سے عوام سے کٹ جانے یا ان کو متاثر کرنے اور اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش نہ کرنا بہت بڑی غلطی ہو گی۔ یہ کام تو مسلمانوں کو ہر حال میں کرنا چاہیے۔ ایک جمہوری معاشرے میں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے کہ اس طرح ہم عوام میں اپنے ہم نوا پیدا کر سکتے ہیں اور خود حکومتی پالیسیوں کو متاثر کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان انصاف کے علم بردار بنیں، معاشرے کے مظلوم انسانوں کا سہارا بنیں، ظلم و عدوان جہاں بھی ہو اور جس شکل میں ہو، ہم اس کے خلاف نبرد آزما ہوں، سوسائٹی کے اصل اخلاقی، معاشی، سیاسی، تہذیبی مسائل کو سمجھیں اور لے کر اٹھیں۔ لوگ ہمیں صرف واعظ ہی کی صورت میں نہ دیکھیں بلکہ ہم مظلوم کی زبان بن جائیں، کمزوروں کے لیے سہارا بنیں اور ان کو تقویت دینے کا باعث ہوں تاکہ سب مل کر نیکی اور انصاف کو پروان چڑھا سکیں۔

اگر ہم دشمن کے ساتھ بھی انصاف کا معاملہ کرنے والے بن جائیں تو دشمن بہت جلد ہمارا حلقہ بگوش ہو سکتا ہے۔ ہم صرف مسلمانوں کے حقوق کے علم بردار نہ بنیں بلکہ ہمیں تو تمام انسانوں کے لیے حق و انصاف کی علامت ہونا چاہیے۔ اسی وقت وہ تبدیلی آسکے گی جو ایک طرف تعصب اور جہالت کے پردوں کو چاک کر دے تو دوسری طرف مخالف کے دلوں کو مسخر کر لے۔ مکی دور کا یہ واقعہ ہمارے لیے ایک راہ نما مثال کی حیثیت رکھتا ہے کہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہ ابوجہل نے اس سے دو قیمتی اونٹ خریدے ہیں مگر ہر طرح کوشش کے باوجود اس کو رقم ادا نہیں کر رہا۔ حضورؐ اس شخص کے ساتھ ابوجہل کے گھر پر آئے، دروازہ کھٹکھٹایا اور جب ابوجہل نکلا اور آپؐ کو دروازے پر دیکھا تو ہکا بکا رہ گیا۔ آپؐ نے کہا کہ کیا تم نے اس سے اونٹ خریدے ہیں اور جب جواب اثبات میں ملا تو فرمایا کہ پھر اس کے پیسے کیوں ادا نہیں کرتے، اس کا حق اس کو دو! ابوجہل خاموشی سے گھر میں گیا اور قیمت ادا کر دی۔

امریکہ ہی نہیں، ساری دنیا کے مسلمانوں کو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پہلو سے روشنی حاصل کرنا چاہیے۔

امت مسلمہ کی وحدت اسلام کا عظیم عطیہ ہے۔ قومی ریاست کے اس دور میں قومی اور جغرافیائی حد بندیوں کو یکسر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا، لیکن ان کا اسیر بن جانا بھی بہت بڑا سانحہ ہو گا۔ مسلمانوں کو اعتدال کی راہ اختیار کرنا ہے۔ وہ جہاں بھی ہوں ان کے لیے ضروری ہے کہ ایک طرف وہ اس ملک، اس قوم اور وہاں

کے مسلمانوں اور تمام انسانوں کے حقوق ادا کریں اور دعوت اسلامی کو اپنی زندگیوں کا مرکز و محور بنائیں تو دوسری طرف امت مسلمہ سے اپنا رشتہ اور تعلق استوار رکھیں۔ وہ اپنی تہذیبی جڑوں کو نہ بھولیں اور امت کے مسائل اور مشکلات کو اپنے مسائل اور مشکلات سمجھیں اور ان مسائل کے حل اور مشکلات کو رفع کرنے کے لیے مقدور بھر کوشش کریں۔ دونوں پہلوؤں کا ادراک اور ان کے لیے مناسب اقدام کے ذریعے ہی ہم اپنی ذمہ داریاں ادا کر سکتے ہیں۔ ہر جگہ کے مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ وہ جہاں ہیں ان کے لیے اولیں میدان کار وہی علاقہ ہے اور وہاں ان کو شہادت حق اور اقامت دین کی ذمہ داری ادا کرنے کے لیے موثر کوشش کرنے اور مضبوط ادارے قائم کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں چار امور بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

اول: اپنی اصلاح: اپنے اخلاقی، دینی، اور تہذیبی تشخص کی حفاظت اور اپنی اصلاح کی فکر کرنا۔ اسلامی عمارت کا سب سے بنیادی پتھر، فرد ہے۔ مسلمان مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا، اگر اچھے انسان اور اسلام کا اچھا نمونہ بن سکے تو اسلام دعوت اور ہماری دوسری تمام دینی و اجتماعی سرگرمیاں بار آور ہوں گی۔ اس لیے دعوت کے اہداف میں سب سے پہلا ہدف اچھا انسان اور اچھا مسلمان بننا اور بنانا ہے۔

دوم: مسلم خاندان: خاندان کے نظام کو آج ساری دنیا ہی میں شدید چیلنج درپیش ہیں، لیکن امریکہ اور یورپ میں تو بڑی منظم اجتماعی تحریکیں خاندان کے ادارے کو تباہ کرنے میں مصروف ہیں اور اس جنگ کو بڑے سائنسی انداز میں، غیر محدود وسائل کے بل بوتے پر لڑ رہی ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تہذیب و تمدن کا مستقبل آج داؤ پر لگا ہوا ہے۔ اگر کسی قوم میں خاندان کا نظام تباہ ہو جاتا ہے تو پھر کوئی چیز اس قوم کو تباہی سے نہیں بچا سکتی۔ مسلم خاندان کی حفاظت اور اس کی ترقی امریکہ میں خاص طور پر بڑا اہم ہدف ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ خاندان کے نظام کو ان اصولوں پر منظم و مرتب کیا جائے جو قرآن و سنت میں مرقوم ہیں۔ رواج اور عرف میں بہت سی چیزیں صحیح اور ضروری ہیں لیکن بہت سی چیزیں علاقائی یا تاریخی اثرات کے تحت ایسی بھی داخل ہو گئی ہیں جو حق پر مبنی نہیں۔ اسلام نے خاندان کے نظام کو جو مرکزی اہمیت دی ہے اور اسے جس عمومی تقسیم کار پر قائم کیا ہے، اسے افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اسلامی احکام اور ان کی روح کے مطابق ترقی دینے کی ضرورت ہے۔ اس نظام کو شوریٰ کے اسلامی اصولوں کے مطابق چلنا چاہیے۔ حقوق و فرائض میں جو توازن اسلام نے قائم کیا ہے اسے پورے طور پر ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ ایمان، اخلاق، تعلیم اور اچھی مثال وہ ستون ہیں جن پر یہ نظام قائم ہوتا ہے۔ اپنے اور اپنے اہل و اولاد کو جہنم کے عذاب سے بچانا ہماری ذمہ داری ہے، قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم ۶۶:۶) گھر کو اہمیت دینا، اہل خاندان کو وقت دینا، صرف نان و نفقہ ہی نہیں ان کی تعلیم و تربیت کی فکر کرنا اور

مل جل کر ایک ایسا گھرانا تشکیل دینا چاہیے جہاں معاملات قرآن و سنت کی ہدایات کے مطابق انجام دیے جائیں اور جس کا ہدف اسلامی نمونے کے مطابق ہر ہر ملک کے حالات کے مطابق اپنا کردار ادا کرنا ہو۔ بلاشبہ اس میں ماں کا کردار بڑا ضروری ہے لیکن ماں اور باپ، بزرگ اور جوان ہر ایک کو اپنا رول صحیح صحیح ادا کرنا چاہیے۔ ورنہ ہم بھی ان تباہیوں سے نہ بچ سکیں گے جو فطرت سے انحراف کا لازمی نتیجہ ہیں۔

سوم: مسلم کمیونٹی کا قیام: اسلام جہاں انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ انفرادی جدوجہد کی تلقین کرتا ہے وہیں جماعت کے قیام اور اجتماعی اور منظم جدوجہد کو بھی اسلامی زندگی کا لازمی حصہ بلکہ امتیازی تشخص قرار دیتا ہے۔ اسلام پر مبنی اجتماعی زندگی کے بغیر مسلمان امت کا کوئی وجود نہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ امربالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے اجتماعی جدوجہد ہو اور اس کے لیے ایسے ادارے قائم کیے جائیں جن کے ذریعے سوسائٹی مستحکم ہوتی ہے۔ مسجد، مدرسہ، وقف، خدمت خلق کے ادارے، دعوت و تبلیغ کا نظام، اجتماعی کفالت کے ادارے، تعلیم، ہنرمندی (skills) اور تحقیق کا اہتمام۔ بچوں، مردوں اور عورتوں کے لیے جسمانی، ذہنی اور اخلاقی تربیت کا مناسب انتظام، نشرواشاعت کا فروغ، کھیل و تفریح، معاشی سرگرمیوں اور اداروں کا اہتمام، ثالثی اور قضا، قانون کی بالادستی اور آخر کار ایسا انتظام کہ ریاست کی قوت قاہرہ اسلام کے تابع ہو سکے۔ ان میں سے جو جو ادارے جہاں کہیں قائم ہو سکتے ہیں ان کی فکر کرنا اور شوریٰ کی بنیاد پر مسلم معاشرے کو مربوط و متحد کرنا اسلامی زندگی کے فروغ کے لیے ضروری اور مطلوب ہے۔

چہارم: امت مسلمہ سے ربط و تعلق: مختلف کمیونٹیز میں تعاون، مختلف علاقوں اور ممالک میں رابطہ، عالمی اداروں کا قیام اور ان سے تعاون، امت کے مسائل اور معاملات کا فہم و ادراک اور ان کے حل کے لیے مناسب تعاون، عالمی سطح پر اسلامی احیا اور قیام دین کی جو جدوجہد ہو رہی ہے اس کو تقویت پہنچانے کی کوشش۔

مسلمان دنیا میں جہاں بھی ہوں، انھیں اس فریم ورک میں اپنے اہداف اور ترجیحات متعین کرنے چاہییں اور جو کچھ قابل حصول ہو اس کے لیے کوشاں اور سرگرم عمل اور جو ابھی قابل حصول محسوس نہ ہو، اس کے لیے متفکر اور سرگرداں رہنا چاہیے۔

امریکہ کے مسلمانوں اور ان کی تنظیموں کی قیادت کو ہم خاص طور پر اس طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ انھیں اسلام کی ابدی تعلیم اور مسلمانوں کی شاندار روایات کی روشنی میں اپنے حالات کے مطابق لائحہ عمل تیار کرنا چاہیے۔ جو چیزیں منصوص ہیں ان کے بارے میں کسی سمجھوتے کا سوال نہیں۔ ان پر ہماری دنیا اور آخرت کا انحصار ہے اور ان کے ذریعے ہمارا جداگانہ تشخص قائم ہے لیکن اس کے ساتھ چند باتوں کا اہتمام

ضروری ہے۔

۱۔ ایسی آبادیوں میں جہاں مسلمان دنیا کے مختلف علاقوں سے آئے ہیں اور اپنے ساتھ اپنے اپنے علاقے کی روایات اور رسوم اور مسائل اور الجھنیں لائے ہیں، اصولی اور اہم اور فروعی اور جزوی میں فرق بہت ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تحمل، بردباری اور ایک دوسرے کے لیے دل ہی میں نہیں تنظیم اور معاشرت میں بھی جگہ بنانا بہت ضروری ہے۔ امریکہ میں مقامی مسلمانوں اور خصوصیت سے افریقی امریکی مسلمانوں کی قابل ذکر موجودگی کی وجہ سے ان کو ساتھ لے کر چلنے، انھیں عزت اور محبت کا مقام دینے، ان کی روایات اور مشکلات کا احساس کرنے، ہمدردی اور حکمت کے ساتھ مل جل کر رہنے اور نئے ادارے فروغ دینے کا کام ضروری ہے۔ مسلمانوں کو چھوٹے چھوٹے جزیروں میں نہیں بٹ جانا چاہیے۔ الگ جزیرے ہوں تو ان میں باہمی ربط و ارتباط کے ذریعے رشتے استوار کرنا اور اس طرح اتحاد اور وسعت اختیار کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم ایک ہم مزاج (homogenous) برادری کی تصویر نہیں بن سکتے تو اسلام کے عالمی پیغام کو کیسے پیش کر سکیں گے۔ دین اور رسم و رواج کا فرق اور مسلم معاشرے کے تنوع کے درمیان وحدت اور یکسانی کی تلاش اور قیام بڑے اہم چیلنج ہیں۔

۲۔ خواتین کا رول بھی اہم مسئلہ ہے۔ آج کی دنیا میں محض یہ مثالیں دینا کافی نہیں کہ اسلام نے عورتوں کو زندہ دفن کرنے کو حرام قرار دیا اور انھیں عزت کا مقام دیا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ شریعت کی حدود کا احترام کرتے ہوئے مسلمان مرد اور عورت دونوں خاندان کے ادارے کے تحفظ اور معاشرے میں امربالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرنے کا کام انجام دیں۔ گھروں میں مشاورت کا نظام قائم کیا جائے۔ عورتوں کی اسلامی ہی نہیں عمومی تعلیم کا اہتمام ہو اور دنیا کے سامنے حجاب کی حدود میں رہتے ہوئے ایک مثالی خاندان اور مثالی معاشرے کی تصویر پیش کی جائے تاکہ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۤءُ بَعْضٍ (المائدہ ۵:۵۱) کو عملی شکل میں دیکھا جاسکے۔

۳۔ بچوں کی تعلیم و تربیت خصوصی توجہ چاہتی ہے۔ اس کا آغاز بالکل فطری طور پر گھر اور خاندان کے ماحول میں ہونا چاہیے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلامی اسکولوں اور کالجوں کا قیام اور اسلامی خطوط پر مسلمان بچوں اور بچیوں اور نوجوانوں کے لیے مناسب اور موثر تنظیموں کا قیام ضروری جو دینی تعلیم و تربیت کا کام بھی انجام دیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی عمر، ذوق اور ضرورت کے مطابق انھیں مختلف النوع سرگرمیوں کے بھرپور مواقع فراہم کریں۔ الحمدللہ نوجوانوں کی تنظیموں کی تو فکر کی جارہی ہے لیکن چھوٹے بچوں خصوصیت سے ۸-۹ سال سے لے کر ۱۲-۱۳ سال تک کے بچوں اور بچیوں کے لیے مناسب ادارے موجود نہیں۔ ان کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

۴- مسلمانوں کو تعلیم و تحقیق کے میدان میں دوسروں سے بڑھ کر حصہ لینے کی ضرورت ہے تاکہ کل کی مسلم برادری بہترین صلاحیتوں سے آراستہ ہو اور جاندار قیادت وجود میں آسکے۔ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمانوں کی مستقبل کی مذہبی قیادت، امریکہ اور اسی طرح یورپ اور دوسرے ممالک میں وہیں کے لوگوں میں سے رونما ہو۔ اس کے لیے ٹھوس دینی تعلیم اور جدید ذرائع ابلاغ و دعوت کی تعلیم ضروری ہے۔ علاقائی یا ملکی سطح پر ایسے اداروں کا قیام وقت کی ضرورت ہے۔

۵- امریکہ میں نئے اسلامی لٹریچر کی تیاری اور اس کے لیے کام کرنے والے اداروں اور افراد کی تیاری اہم کام ہے۔ الحمدللہ اس مرتبہ بچوں کے لیے نیا لٹریچر میرے علم میں آیا۔ نیز اس معاشرے سے متعلق موضوعات پر بھی نئی کتب اور نئے سمعی و بصری لوازمے آنا شروع ہو گئے ہیں۔ لیکن ابھی یہ ضرورت ۱۰ فی صد بھی پورا نہیں کر رہے۔ دوسرے علاقوں میں تیار کردہ لٹریچر کی افادیت ہے مگر صرف ایک حد تک۔ اس کی بھی ضرورت ہے کہ موجود لٹریچر کو ازسرنو مدون کر کے پیش کیا جائے۔ اصل ضرورت نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی اور نئے لٹریچر اور جدید ٹیکنالوجی پر مبنی لوازمے کی فراہمی کی ہے۔ ان سب کاموں کے لیے سب تنظیموں کو ملا کر منصوبے بنانے چاہییں اور کام کو باہم تقسیم کر کے وقت کی ضرورت کو پورا کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ امریکہ جیسی بڑی مارکیٹ کے لیے مناسب مارکیٹنگ اداروں کا قیام ازبس ضروری ہے۔

۶- مسلم برادری کو حرام سے بچانے، حلال کو فروغ دینے اور معاشی خود انحصاری پیدا کرنے کے لیے نئے اداروں کا قیام اور باہمی تعاون سے مسلمانوں کے تجارتی نیٹ ورک کا قیام ضروری ہے۔ اس سلسلے میں افریقی امریکی مسلمانوں کے مسائل بہت گمبھیر ہیں۔ جیلوں میں قبول اسلام کی تحریک الحمدللہ بہت قوی ہے، لیکن جیلوں سے باہر آنے کے بعد ان نومسلموں کو معاشرے میں سمونے اور معاشی اعتبار سے اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے مناسب انتظامات کی شدید کمی ہے۔ اس طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے۔

۷- مسلم میڈیا کی ترقی وقت کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے مسلمانوں کا اپنا میڈیا بھی ضروری ہے اور قومی میڈیا میں مسلمانوں کا نفوذ بھی۔ امریکہ میں انٹرنیٹ پر چلنے والے اسلامی پروگرام میں نے دیکھے، اس سے بے حد مسرت ہوئی۔ لیکن ضرورت تو ہر میدان میں مسلمانوں کے موثر وجود کی ہے اور یہ ممکن بھی ہے بشرطیکہ منظم انداز میں اس کی فکر کی جائے اور نوجوانوں کو کیریر پلاننگ میں مدد دی جائے اور برادری کی ضرورت کے مطابق وہ اپنی ترجیحات مقرر کریں۔

۸- مقامی آبادی میں کام کرنے، سوسائٹی کے ہر طبقے سے روابط رکھنے اور انھیں صرف تبلیغ ہی نہیں بلکہ اپنی مثال اور مسلم اداروں اور تنظیموں کے کاموں میں شریک کر کے اسلام اور مسلمانوں کے قریب لانے کی ضرورت ہے۔ اسلام میں کوئی مشنری طبقہ نہیں اور نہ ہی عیسائیت کی طرح کوئی مذہبی اسٹیبلشمنٹ ہے۔

یہ تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے محلے، دفتر اور فیکٹری میں، اپنے اسکول، کالج اور یونی ورسٹی میں، غرض وہ جہاں بھی کام کر رہا ہے اپنے قول و عمل سے دعوت دین کا کام کرے اور دوسروں میں دلچسپی لے، ان کی ہمدردی حاصل کرے، ان کی مشکلات میں مدد کرے اور مشترک مفاد کو بنیاد بنا کر انھیں اپنے اور اپنے دین سے قریب لائے۔ سوسائٹی کے مشترک اجتماعی مسائل کو اٹھائے اور بتائے کہ اسلام کے ذریعے کس طرح فرد کی روحانی اور اخلاقی زندگی اور معاشرے کی اجتماعی زندگی بلکہ پوری دنیا کا نظام بہتر بن سکتا ہے۔ آج امریکی معاشرے کے پاس خود اپنے افراد کو یا عالمی سطح پر عام انسانوں کو دینے کے لیے کوئی پیغام، کوئی مثال، کوئی نمونہ نہیں ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اسلام کو وہ پیغام، وہ مثال اور وہ نمونہ بنانے کی کوشش کریں۔

۹- ملک کی اجتماعی زندگی، ملکی اور بین الاقوامی معاملات پر ملک اور اس کی قیادت کی پالیسیاں بھی ہماری دلچسپی کا مرکز ہونا چاہییں۔ جمہوری معاشرے میں ان کو متاثر کرنے کے واضح طریقے ہیں۔ ان طریقوں اور راستوں کو دوسرے کے لیے چھوڑ دینا کوئی عقل مندی نہیں۔ مسلم امت کے مسائل کے بارے میں بھی ہمدردانہ رویہ پیدا کرنا اور اصل حقائق کو دلائل کے ساتھ پیش کرنا بڑا اہم میدان کار ہے۔ امریکہ اور اس کے عوام اور ملت اسلامیہ کے درمیان بہت سے معاملات پر اشتراک مفاد ہے۔ اگر ایک چھوٹا سا مخصوص گروہ امریکہ کو ناک سے پکڑ کر اپنے مفاد کے لیے استعمال کر سکتا ہے تو کیا دنیا بھر کے مسلمانوں سے دوستی امریکہ کے مفاد میں نہیں؟ امریکہ میں ہی نہیں، تمام مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمان، ان ممالک اور مسلم امت کے درمیان پل کا کام دے سکتے ہیں اور دنیا سے تصادم اور ظلم کو کم کرنے اور تعاون اور مل جل کر رہنے کی راہیں ہموار کرنے میں ایک موثر اور اہم کردار ادا کر سکتے ہیں، بہ قول علامہ اقبال: ؎

وقتِ فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے!

کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا

یہ پانی

جو تم پیتے ہو

اسے تم نے بادل سے برسایا ہے

یا

اس کے برسانے والے ہم ہیں؟

ہم چاہیں تو

اسے سخت کھاری بنا کر رکھ دیں

پھر تم کیوں شکر گزار نہیں ہوتے؟

(الواقعہ ۵۶-۷۰)

(بندہ خدا)

عقلی دلیل کا مطالبہ

کوئی حکومت ایک لمحے کے لیے بھی قائم نہیں رہ سکتی جس کی رعایا کا ہر فرد اس کے حکم پر حجت عقلی کا مطالبہ کرے اور حجت کے بغیر اطاعت امر سے انکار کر دے۔ کوئی فوج درحقیقت ایک فوج ہی نہیں بن سکتی اگر اس کا ہر سپاہی جنرل کے حکم کی وجہ دریافت کرے اور ہر معاملے میں اپنے اطمینان قلب کو اطاعت کے لیے شرط قرار دے۔ کوئی مدرسہ' کوئی کالج' کوئی انجمن غرض کوئی اجتماعی نظام اس اصول پر نہیں بن سکتا کہ ہر ہر فرد کو مطمئن کرنے کی کوشش کی جائے' اور جب تک ایک ایک شخص کو اطمینان حاصل نہ ہو جائے' اس وقت تک کسی حکم کی اطاعت نہ کی جائے۔ انسان جس نظام میں داخل ہوتا ہے اس ابتدائی اور بنیادی مفروضے کے ساتھ داخل ہوتا ہے کہ وہ اس نظام کے اقتدار اعلیٰ پر کلی حیثیت سے اعتقاد رکھتا ہے اور اس کی حکمرانی کو تسلیم کرتا ہے۔ اب جس وقت تک وہ اس نظام کا جز ہے اس کا فرض ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ کی اطاعت کرے خواہ کسی جزئی حکم پر اس کو اطمینان ہو یا نہ ہو۔ مجرمانہ حیثیت سے کسی حکم کی خلاف ورزی کرنا امر دیگر ہے۔ ایک شخص جزئیات میں نافرمانی کر کے بھی ایک نظام میں شامل رہ سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی چھوٹے سے چھوٹے جزئیہ میں بھی اپنے ذاتی اطمینان کو اطاعت کے لیے شرط قرار دیتا ہے تو دراصل وہ اقتدار اعلیٰ کی حکومت تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے اور یہ صریح بغاوت ہے۔ حکومت میں یہ طرز عمل اختیار کیا جائے گا تو اس پر بغاوت کا مقدمہ قائم کر دیا جائے گا' فوج میں اس کا کورٹ مارشل ہو گا' مدرسے اور کالج میں فوری اخراج کی کارروائی کی جائے گی' مذہب میں اس پر کفر کا حکم جاری ہو گا۔ اس لیے کہ اس نوع کے طلب حجت کا حق کسی نظام کے اندر رہ کر کسی شخص کو نہیں دیا جا سکتا۔ ایسے طالب حجت کا صحیح مقام اندر نہیں' باہر ہے۔ پہلے وہ باہر نکل جائے پھر جو چاہے اعتراض کرے۔

اسلام کی تعلیم میں یہ قاعدہ اصل اور اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ پہلے احکام نہیں دیتا بلکہ سب سے پہلے اللہ اور رسول پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ جتنی حجتیں ہیں سب اسی ایک چیز پر تمام کی گئی ہیں۔ ہر عقلی دلیل اور فطری شہادت سے انسان کو اس امر پر مطمئن کرنے کی کوشش کی

گئی ہے کہ خدائے واحد ہی اس کا الٰہ ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔ آپ جس قدر عقلی جانچ پڑتال کرنا چاہتے ہیں، اس بنیادی مسئلے پر کر لیجیے۔ اگر کسی دلیل اور کسی حجت سے آپ کا دل اس پر مطمئن نہ ہو تو آپ کو داخل اسلام ہونے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ احکام اسلامی میں سے کوئی حکم آپ پر جاری ہو گا۔ لیکن جب آپ نے اس کو قبول کر لیا تو آپ کی حیثیت ایک "مسلم" کی ہو گئی اور مسلم کے معنی ہی مطیع کے ہیں۔ اب یہ ضروری نہیں کہ اسلام کے ہر ہر حکم پر آپ کے سامنے دلیل و حجت پیش کی جائے اور احکام کی اطاعت کرنے کا انحصار آپ کے اطمینان قلب پر ہو۔ مسلم بن جانے کے بعد آپ کا اولین فرض یہ ہے کہ جو حکم آپ کو خدا اور رسول کی طرف سے پہنچے بے چون و چرا اس کی اطاعت میں سر جھکا دیں۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (النور ۲۴:۵۱)

ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب ان کو اللہ اور رسولؐ کی طرف بلایا جائے تاکہ رسولؐ ان کے درمیان حکم کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

ایمان، اور ایسی طلب حجت جو تسلیم و اطاعت کے لیے شرط ہو، باہم متناقض ہیں، اور ان دونوں کا اجتماع صریح عقل سلیم کے خلاف ہے۔ جو مومن ہے وہ اس حیثیت سے طالب حجت نہیں ہو سکتا، اور جو ایسا طالب حجت ہے وہ مومن نہیں ہو سکتا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (الاحزاب ۳۳:۳۶)

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی امر کا فیصلہ کر دے تو ان کو اپنے معاملے میں خود کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔

اسلام نے اصلاح اور تنظیم کا جو عظیم الشان کام انجام دیا ہے وہ سب اسی قاعدے کی وجہ سے ہے۔ دلوں میں ایمان بٹھا دینے کے بعد جس چیز سے روکا گیا تمام اہل ایمان اس سے رک گئے اور جس چیز کا حکم دیا گیا وہ ایک اشارے پر لاکھوں کروڑوں انسانوں میں رائج ہو گئی۔ اگر ایک ایک چیز کے لیے عقلی حجتیں پیش کرنا ضروری ہوتا اور ہر امر و نہی کی حکمتیں اور مصلحتیں سمجھانے پر اطاعت احکام موقوف ہوتی تو قیامت تک انسانی اخلاق کی وہ اصلاح اور اعمال کی تنظیم نہ ہو سکتی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کی مختصر مدت میں انجام دے دی۔

اس کے معنی یہ نہیں کہ اسلام کے احکام خلاف عقل ہیں یا اس کا کوئی جزئی حکم بھی حکمت و

مصلحت سے خالی ہے۔ اس کے معنی یہ بھی نہیں کہ اسلام اپنے پیروؤں سے اندھوں کی سی تقلید چاہتا ہے۔ اور احکام کی عقلی و فطری بنیادوں کو تلاش کرنے اور ان کے مصالح و حکم کو سمجھنے سے روکتا ہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اسلام کی صحیح پیروی کے لیے تفقہ اور تدبر ضروری ہے۔ جو شخص احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں کو جتنا زیادہ سمجھے گا وہ اتنا ہی زیادہ صحیح اتباع کر سکے گا۔ ایسے فہم اور ایسی بصیرت سے اسلام روکتا نہیں بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لیکن زمین و آسمان کا فرق ہے اس عقلی تجسس میں جو اطاعت کے بعد ہو، اور اس عقلی امتحان میں جو اطاعت سے پہلے اور اطاعت کے لیے شرط ہو۔ مسلم سب سے پہلے غیر مشروط اطاعت کرتا ہے، پھر احکام کی مصلحتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ ہر حکم کی مصلحت اس کی سمجھ میں آ جائے۔ اس کو تو دراصل خدا کی خدائی اور رسول کی رسالت پر اطمینان کلی حاصل ہے۔ اس کے بعد وہ بصیرت تامہ حاصل کرنے کے لیے جزئیات پر مزید اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر یہ اطمینان بھی حاصل ہو جائے تو خدا کا شکر ادا کرتا ہے لیکن اگر حاصل نہ ہو تو اطمینان کلی کی بنا پر جو اسے خدا اور رسول پر ہے، بلا تامل احکام کی اطاعت کیے چلا جاتا ہے۔ اس قسم کی طلب حجت کو اس طلب حجت سے کیا نسبت جو ہر قدم پر پیش کی جائے اور اس داعیہ کے ساتھ پیش کی جائے کہ اگر میرا اطمینان کرتے ہو تو قدم اٹھاتا ہوں ورنہ پیچھے پلٹا جاتا ہوں۔ (تنقیحات، ص ۱۰۷-۱۱۰)

جماعت اسلامی پاکستان کا Web Page حسب ذیل ہے

www.Jamaat.org

انٹرنیٹ سے شغف رکھنے والے دیکھیں، اور بہتری کے لیے تجاویز دیں۔

اعجاز احمد چودھری - نائب قیم

قرآن کوئز

۱- کیا آپ قرآن پڑھ سکتے ہیں
۲- کیا آپ کے گھر میں قرآن پاک کا آسان ترجمہ موجود ہے
۳- کیا آپ نماز کے دوران قرآن کی تلاوت سمجھ سکتے ہیں
۴- کیا آپ نے گھر والوں کو قرآن پڑھانے اور سمجھانے کا کوئی بندوبست کیا ہے
۵- کیا آپ کے بچوں کو سکول میں قرآن پاک ترجمے کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے
۶- کیا آپ قرآن سمجھنے کے لیے آڈیو وڈیو یا کمپیوٹر سے مدد لیتے ہیں
۷- کیا آپ کے گھر والوں میں سے کوئی قرآن فہمی کے کسی ادارے سے فائدہ اٹھاتا ہے
۸- کیا آپ نے قرآن سمجھنے کے لیے کبھی کسی پروگرام میں جانے کا ارادہ کیا ہے
۹- کیا آپ قرآن کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی میں تبدیلی محسوس کرتے ہیں
۱۰- کیا اللہ کے پیغام کو سمجھنے کے لیے وقت صرف کرنے کا کوئی فائدہ ہے

اور یقیناً یقیناً ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان بنایا ہے تو ہے کوئی سمجھنے والا

(القرآن)

قرآن فہمی پراجیکٹ

۲ ۹ جیل روڈ- گلبرگ ۵ لاہور

فون: ۵۷۵۷۳۷۴ - ۵۷۵۷۲۷۲

دعوت کے نشان راہ

خرم مراد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالضُّحٰی ○ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ○ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ○ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ○ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ○ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ○ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی ○ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ○ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْھَرْ ○ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ ○ وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ○
(الضحیٰ ۹۳:۱-۱۱)

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے

قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جبکہ وہ سکون کے ساتھ طاری ہو جائے، (اے نبیؐ) تمھارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔ اور یقیناً تمھارے لیے بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہے، اور عنقریب تمھارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا؟ اور تمھیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی اور تمھیں نادار پایا اور پھر مال دار کر دیا۔ لہٰذا یتیم پر سختی نہ کرو، اور سائل کو نہ جھڑکو، اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو۔

سورۃ الضحیٰ گیارہ آیات پر مشتمل ہے۔ پہلی دو آیات میں دن اور رات کی قسم کھائی گئی ہے۔ اس کے بعد اگلی تین آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ سے محبت اور شفقت کے ساتھ وعدے فرمائے ہیں۔ اس کے بعد حضورؐ کی ذات مبارک پر اللہ تعالیٰ کے جو احسانات رہے ہیں، ان کا تذکرہ کیا گیا ہے، مثلاً آپؐ یتیم تھے۔ اللہ نے آپؐ کی پرورش فرمائی، آپؐ کو راہ کی تلاش تھی اللہ نے آپؐ کو راہ دکھائی، آپؐ نادار تھے اللہ نے آپؐ کو غنی کر دیا وغیرہ۔ آخری تین آیات میں ہدایات دی گئی ہیں کہ یتیم کا حق نہ مارنا، اس کو نہ جھڑکنا اور نہ دبانا۔ سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹانا اور نہ اس کو جھڑکنا۔ آخر میں فرمایا گیا کہ تمھارے رب نے تم پر جو نعمت فرمائی ہے، اس کو بیان کرتے رہنا۔ یہ پوری سورہ اللہ اور اس کے محبوب بندے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان گفتگو پر مبنی ہے۔

قرآنی سورتوں کے باہمی ربط کے حوالے سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہر سورۃ پچھلی سورۃ سے مربوط ہے--- آنے والی سورۃ سے بھی اور گزری ہوئی سورۃ سے بھی--- تو اچانک یہ حضورؐ سے خطاب کیوں شروع ہو گیا؟ نیز کیا اس میں عام مسلمانوں کے لیے کوئی رہنمائی ہے؟ اس حوالے سے گذشتہ سورتوں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

سورۃ الشمس پر اگر غور کیا جائے تو اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ہر انسان اپنی فطرت، طبیعت اور مزاج میں ہدایت کا سامان لیے ہوئے ہے۔ نیکی اور بدی، اچھائی اور برائی کی پہچان اسے ودیعت کی گئی ہے۔ وہ اپنی ذات اور زندگی کے لیے ذمہ دار بنایا گیا ہے اور اسے انتخاب و اختیار کی آزادی دی گئی ہے۔ اس اختیار کو استعمال کر کے اگر وہ نیکی کی راہ اختیار کرے گا تو کامیاب ہو گا، جیسا کہ قرآن نے کہا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ○ (الاعلیٰ ۸۷:۱۴)، "فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی"۔ اس کے مقابلے میں اگر اس نے اپنے نفس کو برائیوں کے نیچے دبا دیا تو وہ نامراد ہو گا اور نقصان میں رہے گا۔

اس کے بعد سورۃ الیل ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان کی کوششیں مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں، اخلاقی طور پر بھی، اپنی حقیقت کے اعتبار سے بھی اور اپنے نتائج کے اعتبار سے بھی۔ اس بنیاد پر اللہ نے اعمال کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اعمال کی ایک قسم وہ ہے جس سے نیکی یا جنت کی راہ آسان ہوتی ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس کے نتیجے میں انسان برائی یا جہنم کی راہ پر چل نکلتا ہے۔ آخرت میں بھی ان دونوں گروہوں کا انجام مختلف ہو گا۔ ایک کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ ہے اور دوسرے کے لیے اللہ کی طرف سے ہدیہ، تحفہ اور عنایات ہیں جن کو پا کر وہ خوش ہو جائے گا۔

اس سورۃ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ○ (الیل ۹۲:۱۲)، "بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمے ہے"۔ گویا اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ یہ راستہ ہم نے تمھاری فطرت اور طبیعت میں نیکی کی پہچان رکھ کر بھی بتایا ہے اور یہ راستہ ہم نے رات اور دن، سورج اور چاند، آسمان سے برسنے والی بارش اور زمین سے اگنے والی کھیتی سے بھی سجھایا ہے۔ ان سب میں تمھارے لیے ہمارے راستے کی نشانیاں ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے انبیا بھیجے جنھوں نے اس بات کی تعلیم دی کہ اللہ کی بندگی کیسے کی جائے، اس کے احکام کیا ہیں جن کی پابندی کرنا چاہیے، نیز زندگی کیسے گزاری جائے؟ ان انبیا میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری نبی اور ہادی ہیں۔

اس پس منظر میں دیکھا جائے تو سورۃ الضحیٰ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ہدایت فرمائی ہے کہ جو فریضہ، ذمہ داری اور کام اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کیا ہے، اسے کیسے انجام دیا جائے، لوگوں تک ہدایت کیسے پہنچائی جائے اور کیا طریقہ کار اپنایا جائے؟ نیز اس سلسلے

میں آپؐ کی روش اور کردار کیا ہونا چاہیے؟ اس طرح سورۃ الضحٰی کا گذشتہ سورتوں کے ساتھ ایک ربط اور تسلسل قائم ہو جاتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ پوری سورۃ اللہ کے نبیؐ سے خطاب پر مبنی ہے تو اس میں ہمارے لیے کیا ہدایت و رہنمائی ہے؟ اگر غور کیا جائے تو اس کا اصل خطاب ہم سے ہے۔ نبی آخرالزماں کے امتی ہونے کے ناطے سے جو بات بھی آپؐ سے کہی جا رہی ہے، دراصل اس کے مخاطب ہم ہیں۔ یہ ہمارا ایمان ہے کہ آپؐ اللہ کے آخری نبیؐ ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی اور نبی نہیں آنے والا ہے۔

خاتم الرسل، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد انسانوں تک ہدایت پہنچانے کی ذمہ داری اللہ نے اس طرح پوری کی: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ ۲:۱۴۳) "اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو ایک "امت وسط" بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو"۔ گویا ہم نے تم کو "امت وسط" اس لیے بنایا ہے کہ جس طرح اللہ کے رسولؐ نے تم کو دین پہنچایا، اسے پیش کیا اور اس کی گواہی دی، اسی طرح تمام انسانوں تک ہر قوم، ہر نسل اور ہر جگہ، تاقیامت، دین پہنچانے کی ذمہ داری اب تمھاری ہے۔ اس لحاظ سے اس سورۃ کے اصل مخاطب مسلمان ہیں۔ اب یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ نبی آخرالزماںؐ کے جانشین ہونے کے ناطے، قرآن کے پیغام کو عام کریں اور عامۃ الناس تک کماحقہ ہدایت پہنچانے کی ذمہ داری کو پورا کریں۔ اس سورۃ میں فریضہ اقامت دین کی ادائیگی کے لیے ہدایات و رہنمائی دی گئی ہے۔

اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ ہمارے لیے محبوب ترین ذات، آپؐ کی ذات ہے۔ اس لیے کہ ہمیں جو کچھ آپؐ سے ملا، وہ کہیں اور سے نہیں ملا۔ بلاشبہ اللہ کی بے شمار نعمتیں ہمیں میسر ہیں مگر وہ چیز جس سے ہماری زندگی صحیح راہ پر لگ سکتی ہے، جس سے ہمارے لیے جنت کی راہ آسان ہو سکتی ہے، جس سے ہماری چند گھنٹوں یا چند برسوں پر محیط عارضی زندگی ابدی آرام و راحت میں بدل سکتی ہے، وہ نسخہ صرف آپؐ ہی نے ہمیں بتایا۔ محض بتایا ہی نہیں بلکہ اس پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ ورنہ ہم سب اندھیروں میں بھٹک رہے ہوتے اور گمراہی میں اپنی زندگی گزار رہے ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریمؐ نے بار بار فرمایا کہ اپنی جان، مال اور اولاد بلکہ اپنے آپ سے بھی بڑھ کر مجھ سے محبت کرو۔ حلاوت ایمان یا ایمان کی مٹھاس کی نشانی یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ ہمیں ان سب چیزوں سے بڑھ کر پیارے اور محبوب ہو جائیں۔ جہاں اللہ کے پیارے اور محبوب کا ذکر ہو، وہ چیز تو ویسے ہی ہمارے لیے بہت اہم اور قیمتی چیز ہے۔

سورۃ الضحٰی میں بنیادی طور پر دو قسم کی چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور مختلف مثالوں سے اس کو واضح کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

والضحٰی ○ واللیل اذا سجٰی ○

قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جبکہ وہ سکون کے ساتھ طاری ہو جائے۔

سورۃ کا آغاز روز روشن اور رات کی قسم کھا کر ہو رہا ہے۔ والضحٰی کے معنی دن کا وہ خاص وقت ہے جبکہ سورج چڑھ چکا ہو مگر زوال کو نہ پہنچا ہو۔ بعض لوگوں نے اس سے پورے دن کا مفہوم مراد لیا ہے یعنی روز روشن جبکہ بعض نے اس سے مراد دن کی روشنی لی ہے۔ یہاں مقصود یہ بحث نہیں ہے کہ اس کا اصل مفہوم کیا ہے بلکہ یہ ہے کہ یہ قسم کیوں کھائی گئی۔

عام طور پر آدمی قسم اس چیز کی کھاتا ہے جو اس سے زیادہ برتر' طاقتور یا موثر ہو۔ ہم اللہ کی قسم اس لیے کھاتے ہیں کہ اللہ ہم سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی قسم کیوں کھائی جو کہ کسی صورت میں اس سے برتر نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قسم کھانے کا ایک مقصد کسی چیز کی سچائی پر گواہی دینا ہوتا ہے۔ گواہ ہمیشہ قسم کھا کر گواہی دیتا ہے۔ اللہ کی قسم کوئی شخص اس لیے کھاتا ہے کہ وہ اس چیز کی سچائی پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جو حقائق ہمارے سامنے رکھ رہا ہے' ان کی حقانیت اور سچائی پر وہ ان چیزوں کو بطور گواہ پیش کرتا ہے جن کی وہ قسم کھاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اسی اصول کے تحت اس قسم کی قسمیں اٹھائی ہیں' مثلاً سورۃ التین اور سورۃ العصر میں انجیر اور زمانے کی قسم وغیرہ۔

سورۃ الضحٰی میں دن اور رات کی قسم بھی اس لیے کھائی گئی کہ یہ ان باتوں کی سچائی اور حقانیت پر گواہ ہیں جن کا ذکر اس سورۃ میں کیا جا رہا ہے۔

سورۃ الضحٰی میں قسم اٹھانے کے ضمن میں مفسرین نے اور بہت سے علمی سوالات اٹھائے ہیں' مثلاً اس سے پہلی سورۃ میں پہلے رات کی قسم کھائی گئی اور پھر دن کی۔ لیکن یہاں پہلے دن کی قسم کھائی گئی اور پھر رات کی۔ اس کی کیا حکمت ہے؟ اس حوالے سے مفسرین نے بہت تفصیل سے بحث کی ہے لیکن اصل بات جاننے کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کیا فرما رہا ہے' کیا ہدایت دے رہا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ یہ بات جاننے کے لیے اس علمی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے ذریعے ہم سے براہ راست مخاطب ہے۔ اگر ہم نکتہ آفرینی یا علمی بحث میں الجھ کر رہ جائیں تو پھر ہدایت کا پہلو متاثر ہو جاتا ہے جو قرآن کا اصل منشا ہے۔ اس لیے یہاں ان تمام سوالات کے تذکرے کی ضرورت نہیں جو انسان اپنی ذہنی تسکین اور علمی بحث کے لیے اٹھاتا ہے' اور جن کا ذکر تفسیروں میں موجود ہے۔

البتہ یہ بنیادی سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اللہ نے یہاں دن اور رات کی قسم کس وجہ سے کھائی ہے؟

قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی قسم کھائی گئی ہے وہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے۔ اس بنیادی بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف انداز میں قسم اٹھائی گئی ہے۔ کہیں عبارت سے متعلق قسم کھائی جاتی ہے' مثلاً سورۃ اللیل میں اس انداز میں قسم کھائی گئی ہے' وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ○ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ○ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ○ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ○ (۹۲:۱-۴)' "قسم ہے رات کی جبکہ وہ چھا جائے' اور دن کی جبکہ وہ روشن ہو' اور اس ذات کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا' درحقیقت تم لوگوں کی کوششیں مختلف قسم کی ہیں"۔ یعنی تمھاری کوششیں اسی طرح مختلف ہیں جس طرح رات اور دن یا نر اور مادہ مختلف ہیں۔ کسی جگہ قسم کھانے کا تذکرہ متعدد آیات کے بعد کیا جاتا ہے۔ کسی جگہ پوری سورہ ایک مضمون پر مشتمل ہوتی ہے جس پر قسم شہادت کا ثبوت فراہم کرتی ہے' مثلاً سورۃ القیمۃ میں ان الفاظ میں قسم کھائی گئی: لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ○ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ○ (۷۵:۱-۲)' "نہیں' میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی' اور نہیں میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی"۔ پوری سورۃ میں قیامت کا تذکرہ ہے جس کی حقانیت اور سچائی کو ثابت کرنے کے لیے یہ قسم اٹھائی گئی ہے۔ ان تمام مقامات پر اللہ تعالیٰ اپنی بات کی سچائی کو ثابت کرنے کے لیے مختلف قسمیں اٹھاتے ہیں' ان کی عظمت کی بنا پر نہیں' بلکہ بطور حق کے گواہ اور شہادت کے۔

سورۃ الضحیٰ میں' دن اور رات کی قسم سورۃ کے مضمون سے متعلق ہونے کی بنا پر کھائی گئی ہے۔ دن اور رات کی گواہی دے کر اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندے کو یہ بات سمجھا رہے ہیں کہ جس طرح دن اور رات میں تغیر و تبدل ہوتا ہے' اسی طرح حالات میں بھی تبدیلی آنا فطری امر ہے۔ راہ حق میں مشکلات پیش آ رہی ہیں' لوگ بات سننے کے روادار نہیں بلکہ رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں تو یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ حق بہرحال غالب آ کر رہے گا۔ اللہ کی مدد تمھارے شامل حال ہے۔ اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ آپؐ حق کی دعوت دیتے چلے جایئے۔ آپ کا رب آپ کے ساتھ ہے۔ وہ ناراض نہیں ہوا۔

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ○

(اے نبیؐ) تمھارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔

اس آیت کے حوالے سے تفاسیر میں عموماً یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ پہلی وحی کے نزول کے بعد نزول وحی میں کچھ وقفہ آ گیا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پہلی وحی کے بعد نہیں بلکہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد یہ وقفہ آیا تھا۔ اس وقفے کی مدت مختلف بیان کی گئی ہے۔ بعض لوگوں کے خیال میں یہ مدت گیارہ دن تھی۔ بعض کے خیال میں پندرہ یا چالیس دن تھی۔ اس مدت کے دوران حضورؐ بہت پریشان ہو گئے تھے۔ کیونکہ

حضورؐ اپنے آقا کے جس کام کی انجام دہی کے لیے کھڑے ہوئے تھے' اس کام کا بنیادی سہارا اور دل کے اطمینان و تسلی کا تمام تر انحصار اس گفتگو پر تھا جو آپؐ کی اپنے محبوب رب سے ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ جب یہ سلسلہ رک گیا تو آپؐ کو پریشانی ہوئی کہ کہیں میرا اللہ مجھ سے ناراض تو نہیں ہو گیا؟ کہیں مجھ سے کوئی غلطی یا قصور تو سرزد نہیں ہو گیا؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی اور فرمایا کہ نہیں تمھارے رب نے نہ تمھیں چھوڑا ہے اور نہ وہ تم سے ناراض ہوا ہے۔ یہ اس سورۃ کی شان نزول ہے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر ہمیں یہ بات نہ بھی معلوم ہو کہ یہ آیات اس وقت نازل ہوئی تھیں جب ایک عرصے تک نبی کریمؐ پر وحی کا نزول نہ ہوا تھا' تب بھی قرآن کے پیغام کو سمجھنے' اس سے ہدایت حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ہمیں کوئی رکاوٹ یا مشکل پیش نہیں آئے گی۔

قرآن کی مختلف سورتوں کی شان نزول کے بارے میں' مختلف مفسرین اور علمانے جن میں امام ابن تیمیہؒ اور شاہ ولی اللہؒ جیسے جید علما شامل ہیں' یہ لکھا ہے کہ جب کوئی واقعہ کسی آیت کی شان نزول میں بیان کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ اس آیت کے نزول کا سبب بنا بلکہ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس آیت کے مفہوم کا اطلاق اس واقعے پر بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ آیات تو مکہ میں اترتی ہیں مگر واقعہ مدینہ میں پیش آتا ہے۔

قرآن کی شان نزول کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ کے یہ الفاظ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے بڑے قیمتی اور انقلابی ہیں کہ قرآن مجید کی شان نزول صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو راہ ہدایت دکھانا چاہتا ہے۔ اس کے باطل عقاید و نظریات اور افکار کی تردید کرنا چاہتا ہے اور اسے حق کی راہ پر چلانا چاہتا ہے۔ صرف اہل مکہ و مدینہ یا صحابہ کرامؓ کو ہی نہیں بلکہ ہر زمانے میں' ہر قوم کو راہ حق دکھانا چاہتا ہے۔ لہٰذا قرآن کی شان نزول' انسان کے گمراہ و باطل نظریات کی تردید اور اللہ کی طرف سے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کی ذمہ داری کی ادائیگی کا نام ہے۔ یہی دراصل قرآن کی شان نزول ہے۔

لہٰذا قرآن میں اس قسم کے جتنے بھی واقعات آتے ہیں' وہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ ایک مخصوص واقعہ ہے جس پر اس آیت کا اطلاق ہوتا ہے۔ یقیناً نزول وحی میں وقفہ آنے پر حضورؐ کے رنج و غم اور پریشانی میں اضافہ ہوا ہو گا' اس پر بھی اس آیت کا اطلاق ہوتا ہے۔

فی الواقع اصل بات یہ ہے کہ نبی کریمؐ مکہ میں دعوت کا جو کام کر رہے تھے' قرآن کے جس پیغام کو عام کر رہے تھے' اس راہ میں آپؐ کو سخت مصائب' مخالفتوں اور مشکلات کا سامنا تھا۔ لوگ آپؐ کا مذاق اڑاتے تھے' بات سننے کو تیار نہ تھے۔ کوہ صفا پر چڑھ کر آپؐ نے پوری قوم کو پکارا۔ لوگ آئے مگر مذاق اڑا کر چلے گئے۔ گھر میں اپنے قبیلے' رشتے داروں اور حقیقی چچا وغیرہ کی دعوت کی مگر انھوں نے بھی بات نہ سنی۔ الٹا

مذاق اڑایا۔ لوگ تمسخر اڑاتے تھے، پتھر پھینکتے تھے اور راہ میں کانٹے بچھاتے تھے۔ اسی قسم کی بہت سی مشکلات و پریشانیوں کا آپؐ کو سامنا تھا۔ ان حالات میں جو آدمی یہ سمجھتا ہو کہ وہ اس رب کائنات کا نمایندہ، سفیر اور پیغام بر ہے جس کے اختیارات ہر چیز پر حاوی ہیں مگر وہ بے یارومددگار نظر آتا ہو، ہر ایک اس کی مخالفت پر تلا بیٹھا ہو اور اس پر چڑھ دوڑا ہو، تو اس کا مضطرب اور پریشان ہونا فطری امر تھا۔ خاص طور پر وادی طائف میں جب لوگ آپؐ پر پتھر برسا رہے تھے اور آپؐ کا خون بہہ رہا تھا، اس وقت آپؐ نے جو دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! تو نے مجھے کہاں چھوڑ دیا ہے، مجھے بے وطن کر دیا ہے اور ہر دشمن کو مجھ پر قابو دے دیا ہے، وہ اسی ذہنی کیفیت کی عکاسی کرتی ہے۔ پھر انسان کو یہ خیال بھی آتا ہے کہ کہیں مجھ سے کوئی کوتاہی یا غلطی سرزد نہ ہو گئی ہو، آخر مجھے کیوں بے یارومددگار چھوڑ دیا گیا ہے؟ یہ سب کچھ کیوں پیش آ رہا ہے؟

اس بات کو جاننے کے لیے ہمیں کسی مخصوص واقعے یا شان نزول کو سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو شخص بھی حضورؐ کی سیرت سے، مکی زندگی کے حالات اور سورۃ الضحیٰ کے نزول کے وقت و حالات سے واقف ہے، وہ اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ ایک پیغمبر، داعی حق اور مصلح جو اپنی قوم کی اصلاح کرنا چاہتا ہو، ان حالات میں کس قسم کی ذہنی کیفیت سے دوچار ہوا ہو گا ___ لوگ کیوں میرا مذاق اڑاتے ہیں؟ میری بات کیوں نہیں سنتے؟ کیوں میرا ساتھ نہیں دیتے؟ اور میرا رب جو میرے ساتھ ہے اور جس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تم میری نگاہوں میں ہو، تم جہاں بھی ہو، میں تمھارے پاس ہوں، آخر وہ کہاں چلا گیا ہے؟ لوگ میری بات کیوں نہیں مان لیتے ہیں جبکہ یہ بات صاف، سچی اور کھری بات ہے؟ لوگ حق بات کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ ___ یہ تمام سوالات اسی اضطرابی کیفیت کی عکاسی کرتے ہیں۔

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر اس قسم کی کیفیت پر نبیؐ کو رہنمائی دی ہے مگر اس موقع پر بہت ہی محبت، شفقت اور تسلی بھرے انداز میں فرمایا گیا ہے کہ نہیں، اے نبیؐ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تمھارے رب نے نہ تمھیں چھوڑا ہے اور نہ وہ ناراض ہوا ہے۔ "وَدَّعَکَ" کا مفہوم اردو زبان میں "وداع" سے ادا ہوتا ہے۔ یعنی نہ تمھارے رب نے تمھیں وداع کیا یا چھوڑا ہے اور نہ وہ تم سے ناراض ہوا ہے۔

اس سورۃ میں رات اور دن کا تذکرہ کر کے یہ سمجھایا گیا ہے کہ رات اور دن کے آنے جانے پر غور کرو۔ دن کے بعد رات ہو یا روشنی کے بعد تاریکی آجائے، دن گھٹ جائیں یا راتیں طویل ہو جائیں، یہ تغیر و تبدل، تبدیلی کی علامت اور اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ روشنی اور تاریکی انسانوں، حیوانوں اور نباتات سب کی تعمیر و ترقی، نشوونما اور زندگی کے لیے ضروری ہے۔

جس طرح دن اور رات یا روشنی اور تاریکی ایک دوسرے سے مختلف حالتیں ہیں، اسی طرح اگر اقامت دین کے لیے حالات سازگار نہیں ہیں، مخالفتوں اور پریشانیوں کا سامنا ہے تو یہ فطری امر ہے۔ اس راہ

میں کہیں سختی ہو گی تو کہیں نرمی، کوئی ایمان لائے گا اور کوئی نہیں لائے گا، کوئی بات مان لے گا اور کوئی ٹھکرا دے گا، کہیں مایوسی کا سامنا کرنا ہو گا تو کہیں امید کی کرن بھی نظر آئے گی۔

موسموں کے آنے جانے اور دن اور رات کے ہیر پھیر میں، یہی سبق پوشیدہ ہے۔ عسر اور یسر اور تنگی اور آسانی میں بھی یہی سبق پوشیدہ ہے۔ ان سب میں اللہ کی حکمت کارفرما ہے۔ پس جو رات اور دن اور حالات کے تغیر و تبدل پر غور کرے گا وہ اس بات کو پا جائے گا کہ حالات سدا یکساں نہیں رہتے۔ تبدیلی آ کر رہے گی۔ لہٰذا اے نبیؐ! اگر وحی نہیں اتر رہی، دشمن چڑھ دوڑا ہے، مخالفین کے مقابلے میں دوست احباب اور ساتھیوں کی تعداد کم ہے، تم اپنے آپ کو بے یارومددگار پاتے ہو، تو یہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ تمھاری دعوت سچی نہیں ہے یا اللہ تم سے ناراض ہو گیا ہے اور اس نے تمھیں چھوڑ دیا ہے۔ درحقیقت یہ دعوت کی راہ کے فطری مراحل اور سنگ میل ہیں۔ یہ مراحل تمھاری تربیت اور دعوت کے کام کو آگے بڑھانے کے لیے آتے رہیں گے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ لوگوں کی مخالفت سے بات دبتی نہیں بلکہ اور ابھر کر سامنے آتی ہے۔ مخالفانہ پروپیگنڈا پیغام کو عام کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ نبی کریمؐ کو یہ بات سمجھائی گئی اور تسلی دی گئی کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ تم سے کوئی قصور ہو گیا یا غلطی سرزد ہو گئی ہے جس کی وجہ سے اللہ ناراض ہو گیا ہے۔ اگر تمھارے ذہن میں ایسی کوئی بات ہے تو اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اطمینان رکھو اللہ تمھارے ساتھ ہے۔ وہ اپنے وعدے پورے کر کے رہے گا۔ حق غالب آ کر رہے گا۔

یہاں لفظ "ربک" استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں "ربک" کا لفظ مختلف جگہوں پر مخصوص معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور آیت کے سیاق و سباق کی نسبت سے معنی کا تعین ہوتا ہے۔ یہاں "رب" کے معنی پرورش کرنے والے کے ہیں۔ اگلی آیات میں اس بات کی وضاحت بھی کی گئی ہے کہ اے نبیؐ! تم یتیم تھے تو اللہ نے تمھاری پرورش کی۔ تم نادار تھے تو تمھیں غنی کر دیا۔ تم راہ حق کی تلاش میں تھے تو تمھیں سیدھی راہ دکھائی۔ اس طرح اللہ نے تمھاری جسمانی اور روحانی دونوں طرح سے پرورش کی اور تمھیں اس مقام عظیم تک پہنچایا کہ تمھیں اللہ کے پیغام بر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اس لیے وہ تم سے کیوں ناخوش یا ناراض ہو گا اور تمھارا ساتھ کیوں چھوڑ دے گا؟ ایسے رحیم و کریم رب اور آقا سے یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ تم سے اپنے دین کی سربلندی کا کام لے اور تمھیں تن تنہا چھوڑ دے!—— یہ پیغام صرف حضورؐ کے لیے ہی نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے ان سب لوگوں کے لیے ہے جو دعوت دین اور اقامت دین کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے اٹھیں۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝

اور یقیناً تمھارے لیے بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو تسلی دیتے ہوئے آنے والے دور میں کامیابی کی بشارت دیتا ہے۔ یہاں آخرت اور "اولیٰ" کے مفہوم کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ "آخرت" کے معنی بعد میں آنے والی چیز جبکہ "اولیٰ" کے معنی ہیں پہلی یا شروع میں آنے والی چیز کے ہیں۔ سمجھنے والوں نے اسے دو طرح سمجھا۔ بعض نے کہا کہ "اولیٰ" کے معنی دنیا اور "آخرت" کے معنی وہ آخرت جو موت کے بعد پیش آنے والی ہے اور آخرت میں جو اجر، درجات اور انعامات ملنے والے ہیں، وہ اس سے بہت بہتر ہیں جو کہ دنیا میں ملنے والے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں آخرت سے مراد دنیا کی بہتری ہے اور دنیا میں کامیابی کی بشارت دی گئی ہے۔ یعنی مکہ میں مسلمانوں کو جو ظلم و ستم، جبر و تشدد، استہزا، تمسخر اور تحقیر کا سامنا ہے، بعد میں آنے والا دور اس سے بہت بہتر ہو گا۔ گویا نبی کریمؐ کو خوشخبری دی جا رہی ہے کہ اسی دنیا میں تم بہت جلد اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ موجودہ حالت بدل جائے گی، تمہارا مشن پایہ تکمیل کو پہنچے گا اور حق غالب آ کر رہے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کی کیا ضرورت ہے کہ ہم اس آیت کا مفہوم دنیا یا آخرت کے لیے محدود کر دیں کہ یا تو یہ دنیا کے لیے ہے اور یا پھر آخرت کے لیے۔ اس مفہوم میں دنیا اور آخرت دونوں شامل ہیں۔ "آخرت" کے لفظ میں دنیا بھی آتی ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی بھی۔

چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ کچھ ہی مدت بعد نبی کریمؐ کی زندگی ہی میں آپؐ کا پیغام عام ہوا۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے اسے قبول کر لیا۔ مکہ جہاں سے آپؐ کو نکالا گیا، وہاں آپؐ فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ عرب کی سرزمین جو سمندر کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک مختلف ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی تھی اور تاریخ میں کبھی یکجا نہ ہوئی تھی، وہ ایک مضبوط ملک بن گئی۔ عرب قوم ایک زندہ قوم بن کر اٹھی۔ لوگوں کی اخلاق و اطوار بدل گئے۔ حضور اکرمؐ کی صحبت اور تربیت سے اور اسلامی تعلیمات کی وجہ سے وہ اجڈ اور گنوار نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے پیغام اور دعوت کو قبول عام بخشا۔ نبی کریمؐ کی شخصیت کی محبوبیت کو لوگوں کے دلوں میں قائم کیا اور اتنی بڑی کامیابی سے نوازا جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

یہ سب باتیں لـلـاخرة یعنی "بعد کے دور" کے مفہوم میں شامل ہیں۔ اسی طرح روز قیامت آپؐ کو جو درجات عالیہ اور مقام فضیلت حاصل ہے جن میں مقام محمود اور شفاعت کا اعزاز بھی شامل ہے، وہ بھی الاخرة کے دائرے میں آتا ہے۔ یہ وہ وعدہ ہے جو اللہ نے وَلَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰى کی صورت میں اپنے نبیؐ سے کیا تھا جسے نبی کریمؐ کے مشن کی تکمیل اور آخرت میں درجات اولیٰ سے نواز کر پورا کیا گیا۔

وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيكَ رَبُّكَ فَتَرۡضَىٰٓ ○

اور عنقریب تمھارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔

یہاں اس بات کو مبہم رکھا گیا ہے کہ تمھارا رب تمھیں کتنا دے گا اور کیا دے گا؟ یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ نہال، خوش اور راضی ہو جائیں گے۔ جو آپؐ چاہیں گے، جو آپؐ کی تمنائیں اور آرزوئیں ہیں، آپؐ کا رب آپؐ کو وہ سب کا سب عطا کر دے گا۔

یہ اللہ کے وہ وعدے تھے جن کی بنا پر نبی کریمؐ اللہ کے پیغام کو عام کرنے کا اور دعوت کا کام اس یقین اور ایمان کے ساتھ کر رہے تھے کہ حق کا یہ پیغام عام ہو کر رہے گا اور دنیا اس کے آگے جھک کر رہے گی۔ وقتی طور پر حالات کے اثرات سے پریشان ہو کر نبی کریمؐ کچھ مضطرب ہو گئے تھے۔ ان حالات میں ان محبت بھرے الفاظ سے نبیؐ کو کتنا اطمینان اور تقویت ہوئی ہو گی اور عزم مصمم کو اک نئی تازگی ملی ہو گی، اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ذرا غور کیجیے کہ مکہ کی پوری زندگی میں گنتی کے چند آدمی ایمان لائے تھے جن میں بیشتر غلام تھے۔ ان پر ظلم و ستم روا رکھا جاتا تھا۔ ان کے آقا انھیں مارتے پیٹتے تھے۔ حضرت بلالؓ کو تپتی ریت پر لٹا کر گھسیٹا جاتا تھا۔ حضرت خباب بن ارتؓ کو دہکتے انگاروں پر لٹایا جاتا تھا یہاں تک کہ ان کے جسم کی چربی سے انگارے بجھ جاتے تھے۔ ان حالات میں نبی کریمؐ یہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک کلمہ تم قبول کر لو، سارا عرب اور عجم تمھارا ہو جائے گا۔ جیسے آج کوئی یہ کہے کہ اگر تم صرف لا الہ الا اللہ کو قبول کر لو تو پاکستان ہی نہیں امریکہ، روس، انگلستان اور چین سب تمھارے زیر نگیں ہوں گے۔ یہ تھا وہ یقین اور عزم مصمم جس کی بنا پر نبی کریمؐ دعوت کا کام لے کر چلے تھے۔ یہ صرف اور صرف اللہ کی ذات پر بھروسا اور اپنی دعوت کی صداقت و کامیابی پر یقین کا نتیجہ تھا۔

نبی کریمؐ کو اللہ کے وعدے اور اپنی دعوت کی سچائی اور کامیابی کا کتنا یقین تھا، اس کی ایک عمدہ مثال ہجرت مکہ کے سفر کی ہے۔ دو آدمی اونٹنیوں پر سوار جا رہے ہیں۔ مکہ سے اس حال میں نکل کر آئے ہیں کہ دشمن خون کا پیاسا ہے اور جان لینے پر تلا ہوا ہے۔ آنکھوں میں دھول جھونک کر جان بچا کر نکلے ہیں۔ نہ مکہ میں کوئی جاں نثاروں کا لشکر ہے اور نہ مدینہ میں۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ مدینہ جا کر کیا ہو گا؟ کیسا استقبال ہو گا؟ کیا حالات ہوں گے؟ یہودیوں کا کیا رویہ ہو گا، آیا آپ کا ساتھ بھی دیں گے یا نہیں؟ دوسرے لوگوں کا کیا معاملہ ہو گا؟ کچھ بھی واضح نہیں تھا۔

ان حالات میں آپؐ عازم سفر مدینہ ہوتے ہیں۔ ایسے میں سراقہ آپؐ کو دیکھ لیتا ہے۔ آپؐ کے سر کی قیمت مقرر کی جا چکی تھی۔ وہ انعام کے لالچ میں آپؐ کے تعاقب میں پہنچ جاتا ہے۔ مگر حضورؐ کے نزدیک پہنچ

کر اس کا گھوڑا بدک جاتا ہے اور اس کے پاؤں ریت میں دھنس جاتے ہیں۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ آپؐ کوئی عام انسان نہیں ہیں۔ وہ معافی مانگتا ہے اور درخواست کرتا ہے کہ مجھے پروانہ لکھ دیں۔ آپؐ اس کی درخواست پر پروانہ لکھ دیتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ سراقہ میں تمھیں اس دن کی پیشین گوئی کرتا ہوں جس دن کسریٰ کے کنگن تمھارے ہاتھوں میں ہوں گے۔

ذرا تصور کیجیے کہ جان کے لالے پڑے ہوئے ہوں اور ایسے میں کوئی شخص اپنے وقت کی سوپر پاور کے خاتمے کی بات کرے۔ اور کہے کہ وہ وقت آنے والا ہے جب کسریٰ کے خزانے ہمارے ہاتھ میں ہوں گے اور اس وقت بادشاہ وقت کے کنگن تم پہنو گے، اسے نیم پاگل پن کے سوا اور کیا کہا جا سکے گا۔ مگر نبی کریمؐ کو اپنے رب کی ذات پر اتنا یقین تھا کہ اس کس مپرسی کی حالت میں بھی آپؐ نے بڑے وثوق سے سراقہ سے کہا کہ وہ وقت ضرور آئے گا جب کسریٰ کے کنگن تمھارے ہاتھوں میں ہوں گے۔ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جس کو اپنے رب کی ذات پر یقین ہو کہ آنے والی حالت، موجودہ حالت سے بہتر ہو گی اور اللہ تعالیٰ اتنا دے گا کہ تم نہال ہو جاؤ گے۔

غزوہ خندق کے موقع پر، مدینہ کی چند ہزار کی آبادی کے مقابلے میں پورا عرب امنڈ آیا تھا۔ چوبیس ہزار کا لشکر خیمہ زن ہو کر مدینہ کو گھیرے بیٹھا تھا۔ ادھر مدینہ میں یہودی اس انتظار میں تھے کہ معاہدہ توڑیں اور مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپیں۔ گویا مسلمان اندرونی اور بیرونی، دونوں طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے تھے۔ خندق کھودی جا رہی تھی۔ ایسے میں آپؐ ایک چھوٹی سی خندق کھود کر اپنی عبادت میں مشغول تھے۔ سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کدالیں لے کر خندق کی کھدائی میں مصروف تھے۔ چونکہ زمین پتھریلی تھی اس لیے کھدائی کا کام مشکل تھا۔ آپؐ بھی کھدائی میں شریک تھے۔ آپؐ ایک کدال پتھر پر مارتے تھے تو فرماتے تھے کہ مجھے قیصر کے خزانے دکھائی دے رہے ہیں۔ پھر دوسری کدال مارتے تھے تو کہتے تھے کہ مجھے کسریٰ کے خزانے نظر آ رہے ہیں---- اس درجہ یقین اور ایمان کہ یہ دعوت جب مدینہ سے نکلے گی تو قیصر و کسریٰ سرنگوں ہو جائیں گے، بڑی بڑی سوپر پاور اس کے آگے ہتھیار ڈال دیں گی، چشم زدن میں یہ دعوت اسپین سے لے کر چین تک پہنچ جائے گی، اس سب کی پیشین گوئی ان دو آیتوں کے اندر موجود تھی۔ حضورؐ اس بات سے بہ خوبی واقف تھے۔ آپؐ کو اور بھی اشارے ملتے تھے، خواب اور کلام الٰہی کی صورت میں۔

یہ آیات حضورؐ کے ان خدشات کے جواب میں ہیں جن کی وجہ سے آپؐ یہ سوچتے تھے کہ میں بے یار و مددگار کیوں ہوں؟ میرے ساتھیوں پر مظالم کیوں ٹوٹ رہے ہیں؟ اللہ کی طرف سے وحی کیوں نہیں آ رہی؟ اللہ کا التفات میری طرف کیوں نہیں ہے؟ ان کے علاوہ دیگر وجوہ بھی ان آیات میں سمو دی گئی ہیں۔

ان محبت بھرے کلمات نے ان تمام خدشات اور پریشانیوں کو دور کر دیا اور نبی کریمؐ کو اطمینان ہو گیا کہ میرا رب میرے ساتھ ہے۔ وہ ان سب وعدوں کو پورا کرے گا جو اس نے میرے ساتھ کیے ہیں۔

اس سورۃ میں اللہ نے جہاں نبی کریمؐ کو رات اور دن کے تغیر و تبدل کی طرح حالات کے بدلنے' وعدوں کو پورا کرنے کا اور کلمہ حق کے آگے دنیا کے سرنگوں ہو جانے کا یقین دلایا ہے' وہاں اپنی زندگی پر بھی غور کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ حضورؐ سے فرمایا گیا کہ آپؐ اپنی زندگی پر ایک نگاہ دوڑائیں کہ کس طرح اللہ نے آپؐ سے حسن سلوک فرمایا؟ کس طرح اس نے آپؐ کی پرورش کی؟ مشکلات اور مسائل میں اس نے کس طرح آپؐ کو سہارا دیا ہے؟ چنانچہ اس سورۃ کی آخری تین آیات انھی موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں۔

قرآن نے انسان کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ کے لیے دو معلم یعنی کائنات اور تاریخ مقرر کیے ہیں۔ کائنات ایک وسیع تصور ہے۔ جس میں رات' دن' سورج' چاند' تارے' زمین' آسمان' بارش' ہوائیں ان گنت چیزیں شامل ہیں۔ تاریخ بھی ایک وسیع مضمون ہے۔ اس کے دو حصے ہیں' ایک حصہ قوموں کی تاریخ پر مشتمل ہے جبکہ دوسرا حصہ ہر شخص کی اپنی تاریخ ہے۔ میری اپنی عمر اور زندگی ایک تاریخ ہے جو میری آنکھوں کے سامنے ہے' جسے میں بہ خوبی جانتا اور پہچانتا ہوں۔ میرے اوپر اللہ کے کتنے احسانات ہیں' اس کو مجھ سے زیادہ کون بہتر جان سکتا ہے۔ اسی طرح ہر آدمی کا معاملہ ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو دعوت غور و فکر دیتے ہوئے فرمایا:

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۞

کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا۔

یہ بات ایک ایسے ماحول میں کہی جا رہی ہے جہاں یتیم کا کوئی مقام نہ تھا۔ قرآن مجید نے متعدد جگہ اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ تم یتیم کے حقوق کی ادائیگی میں کوئی لحاظ نہیں کرتے ہو بلکہ یتیم کا مال کھاتے ہو اور پھر اسے جتاتے بھی ہو۔ مال یتیم کو مفت کا مال سمجھا جاتا تھا۔ لوگ اسے بلاتکلف ہضم کر جایا کرتے تھے اور یتیم کو دھکے دینے اور جتلانے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ اس طرح قرآن نے اس معاشرے کی اخلاقی ابتری کا نقشہ بھی کھینچا ہے۔

نبی کریمؐ اس حال میں دنیا میں تشریف لائے کہ پیدائش سے پہلے باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ ماں بھی چھوٹی عمر میں ہی وفات پا گئیں۔ دادا نے سنبھالا تو پانچ برس کی عمر میں وہ بھی فوت ہو گئے۔ پھر چچا نے پرورش کی ذمہ داری لی۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کو متوجہ فرمایا کہ ان تمام ادوار میں اللہ کی رحمت کا سایہ اور دست شفقت تمہارے ساتھ رہا اور وہ تمھاری خبرگیری کرتا رہا۔ یہ سب تمھاری نگاہوں میں ہے۔ تم یہ

دیکھ چکے ہو کہ تمھارا رب کتنا رحیم اور شفیق ہے کہ جب تم یتیم اور بے یار و مددگار تھے تو اس نے تمھارا ہاتھ پکڑا اور تمھاری پرورش کی اور ایک ایسے معاشرے میں تمھاری نگہبانی کی جہاں یتیم کو پوچھنے والا نہیں تھا۔ کیا یہ میری شفقت و مہربانی نہ تھی؟

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى ۝

اور تمھیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی۔

"ضال" کے عربی زبان میں مختلف معنی کیے جاتے ہیں۔ ایک معنی گمراہ ہونے یا بھٹک جانے کے ہیں۔ یعنی کوئی شخص گمراہ ہو گیا یا بھٹک گیا۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ جن ہستیوں کو اللہ تعالیٰ اپنی نبوت یا رسالت کے لیے منتخب کرتا ہے' منصب نبوت سے قبل اگر وہ شریعت کی پوری تفصیلات نہ بھی جانتے ہوں مگر وہ کھلے شرک یا کفر میں' گمراہیوں یا بداخلاقیوں میں مبتلا نہیں ہوتے۔ چنانچہ ضالاً کے یہ معنی کہ حضورؐ گمراہ تھے' اللہ نے راہ دکھادی (نعوذ باللہ) یہ اس کے معنی نہیں ہیں۔

"ضال" کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ انسان کسی راہ کی تلاش میں ہو کہ کدھر جاؤں اور کیا کروں؟ مثلاً کوئی آدمی تنہا ہو یا اگر ریگستان میں کوئی تنہا درخت ہو تو اس کے لیے بھی "ضال" کا لفظ آئے گا۔ ایک چیز دوسری چیز میں مل کر ختم ہو جائے' اس کے لیے بھی یہی لفظ استعمال ہو گا' مثلاً دودھ پانی میں مل جائے یا پانی دودھ میں مل جائے۔

نبی کریمؐ کے بارے میں ہم یہ جانتے ہیں کہ آپؐ کو شروع ہی سے یہ فکر تھی کہ حق کیا ہے؟ آپؐ راہ حق کی تلاش میں تھے۔ آپؐ نے بت پرستی یا کوئی اخلاق سے گری ہوئی حرکت کبھی نہ کی تھی۔ ایک مرتبہ کسی ناچ گانے کی محفل میں دوست لے گئے تو آپؐ کو نیند آگئی اور آپؐ پڑ کر سو گئے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اخلاقی گمراہیوں سے حفاظت فرمائی۔ غار حرا میں اور تنہائیوں میں' اسی سوچ و بچار اور فکر میں رہتے تھے۔ آپؐ مضطرب اور پریشان تھے کہ کس طرح زندگی بسر کروں کہ میرا رب راضی ہو جائے۔ آپؐ یہ جاننا چاہتے تھے کہ حق کیا ہے اور راہ ہدایت کون سی ہے۔ اسی لیے قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا کہ آپؐ یہ نہیں جانتے تھے کہ "کتاب" کیا ہے اور "ایمان" کیا ہے؟ "کتاب" کے معنی پوری زندگی بھی اور احکام (ہدایت) بھی۔ نبی کریمؐ کو اسلام سے قبل یہ نہیں معلوم تھا کہ نماز' روزہ' زکوٰۃ اور دیگر اخلاقی امور کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے کیا احکامات ہیں اور ایمان سے کیا مراد ہے؟ کن چیزوں پر ایمان لانا چاہیے اور کیسے ایمان لانا چاہیے؟ ان تمام امور میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی رہنمائی فرمائی اور سیدھا راستہ کھول کر آپ کو دکھا دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا آپؐ پر احسان عظیم تھا۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى ○

اور تمھیں نادار پایا اور پھر مال دار کر دیا۔

"عائلاً" کے معنی ہیں وہ شخص جس کے پاس کوئی سرمایہ نہ ہو، نادار اور کم مایہ ہو، نیز عیال دار بھی ہو اور غریب بھی۔ عائلاً کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ جو روحانی اور اخلاقی طور پر پیاسا ہو اور حق و صداقت کی تلاش میں ہو۔

مفسرین نے اس آیت کو دونوں مفہوم لیے ہیں۔ ایک اس معنی میں کہ آپؐ یتیم اور نادار تھے۔ جب آپؐ نے تجارت شروع کی تو مال دار ہو گئے۔ پھر آپؐ کی شادی ایک ایسی خاتون سے ہو گئی جو عرب کی امیر ترین خواتین میں سے تھیں۔ ان کی تجارت کے فروغ میں نبی کریمؐ کا نمایاں حصہ تھا۔ یہی وہ بات ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نادار اور غریب تھے، ہم نے تمھیں مال دار اور غنی کر دیا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اصل دولت پیسہ یا مال نہیں ہے بلکہ اصل دولت تو دل کی قناعت اور بے نیازی ہے۔ ایک آدمی کے پاس اگر دس لاکھ روپے ہوں اور دل میں یہ آرزو ہو کہ کاش یہ بیس لاکھ ہو جائیں تو وہ غنی نہیں ہے، وہ تو پیسے کا پجاری اور پیسے کا پیاسا ہے اور اپنے آپ کو غریب سمجھتا ہے اور حرص میں مبتلا ہے۔ درحقیقت اللہ کو تو دل کی بے نیازی مطلوب ہے۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ اے نبیؐ! ہم نے تمھارے دل کو بے نیاز کر دیا۔

ایک مفسر کے الفاظ میں آپؐ کی نظر میں سونا اور پتھر برابر ہو گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پتھر ہو یا سونا، چٹائی کا بستر ہو یا نرم بستر جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے بچھایا تھا، کھانے کے لیے گیہوں یا اچھا کھانا ہو یا دو دن کا فاقہ، آپؐ کو اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ آپؐ اپنے رب کی رضا پر راضی رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے دل کو ان چیزوں سے غنی اور بے نیاز کر دیا تھا۔

اس آیت کا تیسرا مفہوم یہ ہے کہ آپؐ کو حق کی تلاش تھی۔ آپ اس کے لیے فکرمند رہتے تھے اور سوچ و بچار کرتے رہتے تھے۔ اس حوالے سے بھی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنے فضل سے نوازا اور آپؐ کو ہدایت، سچائی اور حق کی راہ دکھائی، اور آپؐ کو مالا مال کر دیا۔ یہ آیت اس مفہوم کی بھی عکاسی کرتی ہے۔

اللہ نے جو تین وعدے کیے ہیں ان کی مناسبت سے اب مزید تین چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو پہلے تین وعدوں کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں۔

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ○

لہٰذا یتیم پر سختی نہ کرو۔

یعنی اللہ نے تمھیں یتیم پایا تو ٹھکانا دیا۔ لہٰذا تم بھی کسی یتیم کو مت ستاؤ۔ "قہر" کے ایک معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے۔ ہر چیز اس کی مطیع و فرماں بردار ہے۔ "قہر" کے معنی دبانے' حق مارنے' ظلم کرنے اور جھڑکنے کے بھی ہوتے ہیں۔ اس معاشرے میں یتیم کے ساتھ یہ برتاؤ عام تھا۔ اس لیے کہا کہ یتیم کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرو۔

"یتیم" کسی بھی معاشرے کا ایک کمزور طبقہ ہوتا ہے لیکن یہاں ایک بنیادی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ معاشرے کے اندر جو لوگ کمزور ہوں' جن کے پاس اپنے حقوق حاصل کرنے کی قوت نہ ہو' ان کے حقوق کو غصب نہ کیا جائے بلکہ ان کو سہارا دیا جائے اور ان کے غصب شدہ حقوق دلوائے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں سیاست' معیشت اور دیگر حوالوں سے "یتیم" کی اصطلاح ایک علامت کے طور پر استعمال ہونے لگی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ مقرر ہوئے۔ لوگوں نے کہا کہ بیت المال سے ان کی تنخواہ مقرر کی جائے۔ سوال پیدا ہوا کہ بیت المال تو "مال یتیم" کی طرح ہے۔ قرآن نے اس بارے میں فرمایا ہے کہ جو غنی ہو اور ضرورت مند نہ ہو وہ نہ لے اور جو ضرورت مند ہو وہ اتنی تنخواہ لے جتنی ضروریات زندگی کے لیے ناگزیر ہو۔ خلفاے راشدین کا بیت المال کے حوالے سے یہی رویہ رہا۔ جن کو ضرورت نہیں تھی وہ نہیں لیتے تھے اور جن کو ضرورت ہوتی تھی وہ لے لیا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد جو پہلی تقریر کی تھی اس میں بھی یہی کہا تھا کہ تم میں سے جو کمزور ہے' اور اگر کوئی اس کا حق مارے گا' تو وہ میرے نزدیک قوی ترین آدمی ہے۔ پوری ریاست کی قوت اس کی پشت پر ہوگی یہاں تک کہ میں اس کا حق دلوا دوں۔ ظالم خواہ کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو' پوری ریاست کی قوت اس کی گردن پر ہوگی' کمزور کا حق دلوانے کے لیے۔

اسلامی تہذیب و تمدن اور معاشرت و سیاست میں یتیم یعنی کمزور طبقے کی حمایت کا یہی تصور پایا جاتا ہے۔ عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے بھی نبی کریمؐ نے بہت تاکید فرمائی ہے' اس لیے کہ وہ مردوں کے قابو میں ہوتی ہیں۔ اسی طرح غلاموں سے حسن سلوک اور ان کے حقوق پر اتنا زور دیا گیا کہ ہمارے ہاں غلام بادشاہ وقت بن گئے۔ برصغیر پاک و ہند میں خاندان غلاماں نے حکمرانی کی ہے۔ یہ انقلابی تبدیلی دراصل اسی ایک ہدایت یعنی فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ○ "یتیم پر سختی نہ کرو" کا نتیجہ ہے۔

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ○

اور سائل کو نہ جھڑکو۔

سائل کے دو معنی ہیں' ایک مانگنے والا اور دوسرا پوچھنے والا۔ یہاں دونوں مفہوم مطلوب ہیں۔ اگر کوئی

مانگنے والا ہو تو اس کو بھی نہ جھڑکو اور اگر کوئی دین سے متعلق کوئی سوال پوچھنے آئے تو اس کو بھی صبر کے ساتھ جواب دو اور اس کو بھی نہ جھڑکو۔ حضورؐ نے زندگی بھر ان دونوں پہلوؤں کو اپنے پیش نظر رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کوئی سائل آپؐ کے ہاں سے خالی ہاتھ نہیں گیا۔ آپؐ نے کسی کو انکار نہیں کیا یا "نہیں" کا لفظ نہیں کہا۔ کوئی بھی سائل آپؐ کے در پر آیا تو آپؐ نے کچھ نہ کچھ دے کر ہی بھیجا' خالی ہاتھ نہ لوٹایا۔ یہی آپؐ کا وہ وصف ہے جس کی بنا پر شعرا نے آپؐ کی شان میں قصیدے کہے اور نعتیں لکھیں۔ حضرت عباسؓ کے الفاظ میں: "آپؐ سے زیادہ کوئی سخی نہ تھا"۔

آپؐ دین کے معاملے میں رہنمائی کے لیے آنے والوں کے ساتھ بھی نہایت صبر و تحمل سے پیش آتے تھے۔ دین کے حوالے سے لوگوں کو رہنمائی دینا ایک صبر آزما کام ہے۔ لوگ جہالت سے پیش آتے ہیں' غیر مناسب انداز میں گفتگو کرتے ہیں اور اس رویے پر آدمی کو غصہ بھی آتا ہے۔ بسااوقات دل یہ چاہتا ہے کہ ڈانٹ کر واپس بھیج دیا جائے کہ انھیں بنیادی اخلاقیات تک کا علم نہیں ہے کہ بات کیسے کی جاتی ہے۔ لیکن نبی کریمؐ کے پاس جو لوگ بھی اپنے دکھ درد' مسائل اور پریشانیاں لے کر آتے' آپؐ ان کی بات نہایت تحمل سے سنتے اور نہایت نرمی و شفقت سے پیش آتے۔ کسی کو نہ ڈانٹتے تھے حتیٰ کہ ناروا رویے پر بھی صبر و تحمل اور غیر معمولی ضبط کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ لوگوں کی غلط روش کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات کے ذریعے نبی کریمؐ سے گفتگو اور آپؐ کی مجلس میں شرکت کے آداب سکھائے۔ آپؐ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ کی عملی تفسیر تھے۔

داعیان دین کے لیے نبی کریمؐ کا یہ عمل نمونہ ہے۔ انھیں دین کی اشاعت اور اقامت دین کی ذمہ داری کو ادا کرتے ہوئے صبر و تحمل اور نرمی و شفقت کے اس رویے کی تقلید کرنا ہوگی۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝

اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو۔

سورہ الضحیٰ کے آخر میں نبی کریمؐ کو تیسری اور آخری ہدایت اس حوالے سے دی گئی ہے کہ تمھارے رب نے جن نعمتوں سے تمھیں نوازا ہے' ان کا اظہار اور بیان کیا کرو۔ یہاں لفظ "اخبر" استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ کہ اس کی خبر دے دو بلکہ "فحدث" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ "فحدث" کے معنی کسی کام کو بار بار کرنا' کرتے رہنا اور کرنے میں لگے رہنا ہے۔

"نعمت" کا مفہوم بھی بڑا وسیع ہے۔ "نعمت" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ روز مرہ زندگی کے لیے جو کچھ اللہ نے عطا کیا ہے' وہ سب نعمتیں ہیں' مثلاً زندگی ایک نعمت ہے' سانس کا چلنا' دل کا دھڑکنا' ہاتھ پاؤں کا حرکت کرنا' پیٹ بھرنے کے لیے انواع و اقسام کے کھانے اور اشیا اور مال و دولت وغیرہ۔ لہٰذا اظہار نعمت کا

ایک مفہوم تو یہ ہے کہ انسان کا دل ان نعمتوں کو محسوس کرے اور ان پر شکرگزار ہو۔ زبان سے بھی ذکر اور شکر کرے، مثلاً کھانا کھائے تو کہے الحمدللہ، کپڑا پہنے تو کہے الحمدللہ، سواری پر سوار ہو تو کہے الحمدللہ! گویا جہاں بھی اور جب بھی اللہ کی کسی نعمت سے مستفید ہو تو اظہار تشکر کرے۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کا لفظ اس مفہوم کی مکمل عکاسی کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی شکرگزار ہو۔ وہ اس طرح کہ اپنا عمل اللہ کے احکامات کے مطابق کرے اور اس کا حق ادا کرے۔ اس طرح سے عملی طور پر شکرگزار بندہ بنے۔

مفسرین قرآن کا اس بات پر تقریباً اجماع ہے کہ یہاں "نعمت" کا لفظ ہدایت کی نعمت کے مفہوم میں آیا ہے۔ گویا تمھارے رب نے جو سب سے بڑی نعمت تمھیں دی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ تم یتیم تھے، اس نے تمھاری پرورش کر دی، بے سہارا تھے، سہارا دے دیا، نادار تھے، غنی کر دیا بلکہ سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اس نے تمھیں ہدایت سے تہی دامن پایا اور تمھیں ہدایت بخشی۔

اس نے تمھیں روحانی اور اخلاقی علوم اور مادی دولت کے ساتھ ساتھ احکام خداوندی، اور قرآن عظیم جیسی نعمت عظمٰی سے مالا مال کر کے ہدایت دی۔ اب اس نعمت کو دوسروں متلاشیان حق تک پہنچانا تمھاری ذمہ داری ہے۔ یہاں "بیان کرنا" سے مراد ہدایت کو لوگوں تک پہنچانا ہے۔

یہ تین ہدایات گذشتہ تین نعمتوں کے مقابلے میں دی گئی ہیں۔ فرمایا گیا کہ ہم نے تمھیں یتیم پایا تو تمھیں ٹھکانا دیا۔ پس تم بھی کسی یتیم، کمزور اور نادار آدمی کا حق نہ دباؤ، اس کے ساتھ سختی سے پیش نہ آؤ اور اسے مت جھڑکو۔ پھر فرمایا کہ ہم نے تم کو راہ حق کی تلاش میں پایا، وہ راہ ہم نے تم کو دکھا دی۔ لہٰذا اگر تمھارے پاس بھی کوئی شخص راہ حق کی تلاش میں آ جائے تو تم بھی اس کو مت جھڑکو بلکہ اس کے سوال کا جواب صبر و تحمل اور محبت و شفقت کے ساتھ دو اور اس کی رہنمائی کرو۔ آخر میں فرمایا کہ ہم نے تمھیں اپنی ہدایت کی نعمت سے نوازا اور مالا مال کر دیا۔ سو تم اپنے رب کی اس نعمت پر شکر ادا کرو اور اسے دوسروں تک بھی پہنچاؤ۔

میں نے آغاز درس میں یہ سوال اٹھایا تھا کہ اس پوری سورۃ میں بندے اور رب کے درمیان گفتگو ہو رہی ہے لیکن اس میں ہمارے لیے کیا رہنمائی ہے؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے کلام کر رہا ہے جو ہمیں ماں، باپ، اولاد اور جان و مال سے بڑھ کر محبوب اور عزیز ہے۔ اللہ کی اپنے رسولؐ کے ساتھ یہ محبت بھری گفتگو خود ہمارے لیے بڑی روحانی تسکین اور دل کی زندگی کا سامان ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ جو ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے سپرد کی تھی، وہ مشن، دعوت، حق اور ہدایت پہنچانے کی ذمہ داری، رہتی دنیا تک اب امت مسلمہ کی ذمہ داری

ہے۔

اللہ نے امت مسلمہ کے لیے بھی سربلندی و سرفرازی کے اسی طرح وعدے فرمائے ہیں جیسا کہ نبی کریمؐ سے وعدے کیے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○ (آل عمران ۳:۱۳۹)

دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔

اسی طرح فرمایا:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور ۲۴:۵۵)

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔

اگر تم دنیا میں ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کرو گے تو زمین کی خلافت ہم ضرور تمھیں دیں گے۔

یہ تمام وعدے اللہ نے ہمارے ساتھ بھی کیے ہیں۔ لیکن یہ تب ہی ممکن ہے کہ تم کمزوروں کا حق نہ دباؤ، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ مانگنے والوں کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ اور خاص طور پر جو لوگ حق کے متلاشی ہیں، اللہ نے جو نعمت اپنی کتاب کی صورت میں تمھیں دی ہے، اس کو بیان کرو، اسے آگے پہنچاؤ اور اس کی تبلیغ کرو۔ اپنی زبان اور عمل سے اور ہر طرح سے اس کی تحدیث نعمت کرو۔

یہ مختصر سورۃ جو چند آیات پر مشتمل ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے دل موہ لینے والے بول ہیں، صرف چالیس الفاظ پر مشتمل ہے۔ اس کی جامعیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس ایک چھوٹی سی صورت میں کتنے اہم مضامین جمع کر دیے گئے ہیں۔ ہمارے لیے مقصد زندگی، لائحہ عمل، نبی کریمؐ سے تعلق، ان کے مشن کی نوعیت اور امت مسلمہ کی ذمہ داری جیسے اہم مضامین، سب اس میں یکجا کر دیے گئے ہیں۔ مقام افسوس ہے کہ یہ سورۃ اکثر نماز میں پڑھی جاتی ہے مگر ہم نہیں جانتے کہ اس میں ہمارے لیے کیا پیغام اور ہدایت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کی توفیق دے۔ (آمین)

(بہ تحریر کیسٹ کی مدد سے تیار کی گئی ہے۔ تدوین: امجد عباسی)

تربیت و تزکیہ

اہمیت و شرائط

عبدالرشید صدیقی

ہر کام کرنے کا ایک طریقہ اور ایک ڈھنگ ہوتا ہے۔ جب تک اس کا علم اور تجربہ نہ ہو' کام صحیح طریقے سے انجام نہیں دیا جاسکتا۔ فارسی کا مشہور شعر ہے:۔

ہرچہ دانا کند کند ناداں   لیک بعد از خرابی بسیار

چنانچہ اسی "خرابی بسیار" سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کام صحیح طور پر کرنے کے اصول اور ضوابط کے بارے میں آگاہی حاصل ہو۔

کسی بھی تنظیم کی کامیابی کے لیے افرادی قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی اس میں ایسے باصلاحیت لوگ موجود ہوں اور مسلسل موجود رہیں جو تنظیم کے کام کو آگے بڑھا سکیں۔ تربیت کی اس اہمیت کے پیش نظر دینی لٹریچر میں بجا طور پر اسے اولیت دی گئی ہے۔ ہمارے دین کا تعلق زندگی کے تمام شعبوں سے ہے اس لیے ہماری تربیت بھی ہمہ جہتی ہونی چاہیے۔

تزکیہ نفس

تربیت کا اہم بلکہ لازمی اور بنیادی پہلو انسان کا تزکیہ نفس ہے۔ لفظ تزکیہ کے دو مفہوم ہیں: ایک' پاک و صاف کرنا اور دوسرے' نشوونما دینا۔ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ جو چیز برائی اور فساد سے پاک ہو گی وہ لازماً اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق پروان چڑھے گی۔ انبیا علیہم السلام انسانی نفوس کا جو تزکیہ کرتے تھے اس میں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی تھیں۔ وہ لوگوں کے دلوں اور ان کے اعمال و اخلاق کو غلط چیزوں سے پاک و صاف کرتے اور ان کے اخلاق کو نشوونما بھی دیتے تھے۔ فی الحقیقت انبیا علیہم السلام کی بعثت کا ایک اہم مقصد تزکیہ نفوس تھا۔ چنانچہ سورۃ الجمعۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد کا ذکر یوں فرمایا:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (۶۲:۲)

وہ جس نے امیوں میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

انسان کی اصل کامیابی اور فلاح اسی میں ہے کہ وہ اپنی خواہشات نفس کے غلط رجحانات پر کنٹرول رکھے اور نیکی کی راہ اختیار کرے۔ سورۃ الشمس میں فرمایا:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○ (۹۱:۷-۱۰)

اور نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی، یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔

اور سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ○ (۸۷:۱۴) "فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی"۔

اس لیے معلوم ہوا انسان کی نجات اور اس کی فلاح کا دارومدار بھی تزکیہ نفس پر ہے۔ ہر روز پانچ وقت موذن حی علی الفلاح کی صدا بلند کر کے نماز کی طرف بلاتا ہے۔ اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ نماز ہمارے نفوس کے تزکیہ کے لیے ہے اور اس نماز کی ادائیگی سے ہمارا تزکیہ ہو گا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں فلاح نصیب فرمائیں گے۔

حصول تزکیہ کے لیے بنیادی اوصاف

تزکیہ کی اہمیت اور ضرورت کے تعین کے بعد ان بنیادی صفات اور عوامل سے آگاہ ہونا چاہیے جن کے بغیر تزکیہ نفس کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔

۱- **نیت اور ارادہ**: مشہور حدیث ہے کہ تمام اعمال کا دارومدار صرف نیت پر ہے (بخاری، مسلم)۔ اس لیے نیت کی پاکیزگی کا اہتمام انتہائی ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تزکیہ نفس کی کوشش میں اولین اہمیت نیت کو حاصل ہے۔ جب تک انسان نیک نیتی سے اصلاح نفس کے لیے آمادہ نہیں ہوتا، تو اسے توفیق الٰہی کی سعادت حاصل نہیں ہوتی۔ یہ توفیق اسے اس لیے میسر آتی ہے کہ وہ اپنی اصلاح اور تبدیلی کا سچا اور پکا ارادہ کر لیتا ہے۔ نیت کی درستی کے بعد ارادہ کرنا، منزل کی طرف پہلا قدم ہے۔

ارادے کی اس اہمیت کو مولانا امین احسن اصلاحی اپنی کتاب' تزکیہ نفس میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

آدمی کا ارادہ اگر مضبوط نہ ہو اور وہ اس ارادے سے کام نہ لے تو دنیا کی بہتر سے بہتر رہنمائی بھی اس کے لیے بالکل بے سود ہے۔ قرآن سے بہتر کتاب دنیا میں اور کیا ہو سکتی ہے لیکن اس کا نفع بھی انھی لوگوں کو پہنچتا ہے جو اس کی ہدایات پر عمل کرنے کے لیے عزم بالجزم کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو اس سے کوئی نفع بھی نہیں پہنچتا جو اس کی فصاحت و بلاغت کی تعریف میں تو بہت رطب اللسان رہتے ہیں لیکن اس کی ہدایات پر عمل کرنے کا ارادہ ان کے اندر نہیں پایا جاتا۔ تصوف کی اصطلاح میں جس کو مرید کہا جاتا ہے' میرے نزدیک اس سے مراد درحقیقت وہی شخص ہے جو اپنے نفس کی اصلاح و تربیت کے لیے اٹھ کھڑا ہوا ہے اور اس راہ میں ہر صعوبت خوش دلی کے ساتھ جھیلنے' ہر قربانی پیش کرنے اور جان و مال کی ہر بازی کھیل جانے کے لیے ہمہ تن مستعد ہے۔ جس مرید میں اس طرح کا ارادہ نہ پایا جاتا ہو وہ فی الحقیقت مرید ہی نہیں ہے (صفحہ ۲۳)۔

صحابہ کرامؓ کس طرح اپنے تزکیہ کے متلاشی تھے' وہ سورۃ عبس میں حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کے واقعے سے ظاہر ہوتا ہے۔ فرمایا: وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ ○ (۸۰:۳)' "تمھیں کیا خبر' شاید وہ اپنا تزکیہ کرتا"۔ وہ نابینا ہونے کے باوجود اپنے تزکیہ نفس کے لیے رسول اللہؐ کی صحبت میں حاضری دیتے تھے۔

یہاں اس حقیقت کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ انسان بہت سی چیزوں کی خواہش کرتا ہے لیکن خواہش کا نام ارادہ نہیں ہے۔ محض خوش آیند تمناؤں سے کبھی بھی منزل تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ انگریزی کا ایک مقولہ ہے:

If wishes were horses beggars would ride. "اگر خواہشات تیز رَو گھوڑے ہوتیں تو فقرا سواریاں کرتے"۔

انسان کی بنیادی کمزوریوں میں ایک کمزوری عزم کی کمی ہے۔ اس طرف اللہ تعالیٰ نے یوں اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ○ (طٰہٰ ۲۰:۱۱۵)

ہم نے اس سے پہلے آدمؑ کو ایک حکم دیا تھا' مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم نہ پایا۔

چنانچہ عزم اور ارادے کی یہ کمزوری انسان کی سرشت میں ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ انسان ہر وقت چوکنا رہے اور ثابت قدمی سے اس راہ پر گامزن رہے۔

۲- صفات مطلوبہ کا ادراک و فہم

علم کی اہمیت اور فضیلت قرآن و حدیث میں نہایت بین اور واضح طور پر بیان کی گئی ہے۔ قرآن مجید کے نزول کی ابتدائی آیات میں علم کا تذکرہ ہے اور سب سے پہلا لفظ اقرأ جس کے معنی پڑھنے کے ہیں، نازل ہوا۔ سب سے پہلی نعمت جو حضرت آدم علیہ السلام کو عطا ہوئی وہ علم ہی تھا اور اس وجہ سے انسان کو کائنات کی تمام مخلوقات پر فوقیت دی گئی ہے۔ حدیث میں حصول علم کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کتاب الوحی اور کتاب الایمان کے بعد تیسرا عنوان کتاب العلم باندھا ہے۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم کا آغاز کتاب العلم سے کیا ہے۔ اس کے تحت سات ابواب ہیں۔ بغیر علم کے نہ انسان ان مطلوبہ صفات کو حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنی برائیوں اور کمزوریوں سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔

علم اور دین کا فہم پیدا کرنے کے لیے محض لٹریچر پڑھ لینا کافی نہیں۔ علم اس وقت تک نافع نہیں ہوتا جب تک اس پر عمل نہ کیا جائے۔ صحابہ کرامؓ کا دستور یہ تھا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیتیں بھی پڑھ لیتے تھے تو جب تک ان آیات کے تمام علم و عمل کو اپنے اندر جذب نہ کر لیتے، آگے قدم نہ بڑھاتے۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے قرآن کے علم و عمل دونوں کو ایک ساتھ حاصل کیا ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں: علم کا ایک باب سیکھنا اور اس پر عمل کرنا دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔ یہی وہ چیز ہے جسے حدیث کی اصطلاح میں علم نافع کہا گیا ہے یعنی جو خود بھی نفع بخش ہو اور اس کا سب سے پہلا ثمر خود انسان کے عمل کی صورت میں رونما ہو۔

علم نفسیات کے ماہرین کی تحقیق ہے کہ:

ہم یاد رکھتے ہیں: ۱۰ فی صد جو پڑھتے ہیں، ۲۰ فی صد جو دیکھتے ہیں، ۵۰ فی صد جو دیکھتے اور سنتے ہیں، ۸۰ فی صد جو کہتے ہیں، ۹۰ فی صد جو ہم کہتے ہیں اور کرتے بھی ہیں۔

اس لیے علمی استعداد بڑھانے کے لیے عملی مشق بھی ضروری ہے۔ انگریزی کی مشہور کہاوت ہے:

مجھ سے کہو، میں بھول جاؤں گا۔ Tell me, I forget.

مجھے دکھاؤ، میں یاد رکھوں گا۔ Show me, I remember.

مجھے کام میں شامل کرو تاکہ میں سمجھوں۔ Involve me, I understand

۳- عملی جدوجہد: سعی مسلسل

مصمم ارادے اور مطلوبہ علم کے بعد اس راہ میں پوری تندہی سے کوشش بھی ضروری ہے۔ دعا بے حد ضروری ہے لیکن جدوجہد اور کوشش کیے بغیر، محض دعاؤں کے بل پر معجزات رونما نہیں ہوتے۔ بغیر کوشش اور جدوجہد کے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ○ (النجم ۵۳:۳۹)،

"اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے"۔ کوشش بھی محض خانہ پری کے لیے یا جیسے تیسے کام کر لینے کا نام نہیں بلکہ اس طرح کہ اس کوشش کا حق ادا ہو جائے اور اس میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادے اور کوشش کے سلسلے میں یہ بات بڑی وضاحت سے سورۃ بنی اسرائیل میں یوں فرمائی ہے:

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○ (۱۷:۱۹)

اور جو آخرت کا خواہش مند ہو اور اس کے لیے سعی کرے جیسی کہ اس کے لیے سعی کرنی چاہیے' اور ہو وہ مومن' تو ایسے ہر شخص کی سعی مشکور ہو گی۔

اس طرح جہاد کے لیے بھی اس کی یہ شان بیان فرما دی کہ اس کا حق ادا ہو۔ (وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ)

۴- نصب العین کا شعور

ہمارا اصل نصب العین رضائے الٰہی اور آخرت کی کامیابی ہے۔ یہ منزل ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے۔ اس راہ میں بے حد مشکلات اور موانع ہوتے ہیں۔ کئی چیزیں منزل تک پہنچنے میں حائل ہوتی ہیں۔ ہمارا طرز عمل اس ندی کی طرح ہونا چاہیے جس کی منزل سمندر تک پہنچنا ہوتی ہے۔ بڑی سے بڑی چٹان بھی اس کا راستہ روک نہیں سکتی۔ وہ ہر چٹان سے ٹکرا ٹکرا کر اپنی قوت اور وقت ضائع نہیں کرتی بلکہ اپنے لیے ایک نیا راستہ تلاش کر کے منزل کی طرف پیش قدمی جاری رکھتی ہے۔ نصب العین کا شعور اور اس کے حصول کا شوق وہ مہمیز ہے جو ہمیشہ انسان کو بیدار رکھتا ہے۔

۵- اعلیٰ معیار

ہر کام کو احسن طریقے سے کرنے کا سلیقہ ہونا چاہیے۔ جو کام بھی ہو وہ اس طرح کیا جائے کہ اس کا حق ادا ہو جائے۔ ہر کام کو نہایت جاں فشانی اور دل سوزی سے کیا جائے۔ اس بات کو حدیث رسولؐ میں یوں بیان کیا گیا ہے: "بلاشبہ اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اپنے کام تمام و کمال سے کرتے ہیں"۔ (بیہقی) اسلامی اصطلاح میں اس کو درجہ احسان کہتے ہیں۔

حدیث جبرئیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کی تعریف یہ بیان فرمائی:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (مسلم)

اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو سمجھو وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔

چنانچہ زندگی کے تمام ہی معاملات میں چاہے وہ عبادات ہوں یا معاملات' درجہ احسان کے حصول کا

اہتمام کرنا چاہیے۔ ہر مسجد میں امام' جمعہ کے خطبے میں سورۃ النحل کی یہ آیت یاد دہانی کے لیے تلاوت کرتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (۱۶:۹۰) "اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ ان اعمال کو شرف قبولیت بخشتے ہیں جو خلوص دل سے احسن طریقے سے کیے جائیں۔

۶- معمول زندگی

کوشش کرنی چاہیے کہ تزکیہ ہماری زندگی کا مرکز و محور بن جائے نہ کہ محض ضمیمہ۔ تربیتی پروگرام ہماری تربیت میں مدد و معاون تو ہو سکتے ہیں لیکن یہ اس بات کا بدل نہیں ہے کہ ہم اپنی زندگی کے شب و روز اپنی تربیت کے لیے کوشاں رہیں۔ عارضی طور پر تربیتی پروگرام میں شرکت سے ہماری حس تربیت بڑھ جاتی ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہے اس تزکیے کو ہم اپنی زندگی میں پوری طرح سمو لیں اور اس کا جزو لاینفک بنا لیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو عبادات فرض کی ہیں ان کی اصل غایت یہی ہے کہ ان کے ذریعے ہم اپنے نفوس کا تزکیہ کر سکیں۔

۷- استعانت اور تعلق باللہ

تزکیہ نفس کا اصل مقصود یہی ہے کہ انسان کا رشتہ اس کے رب کے ساتھ استوار اور مضبوط ہو۔ تعلق باللہ کی نصیحت تمام صلحاے امت اپنے رفقا کو کرتے رہے ہیں۔ یہ تعلق جتنا گہرا ہو گا عمل میں خلوص اور ارادے میں استقامت برقرار رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کی محبت ہی وہ محرک ہے جو انسان کو مشکل سے مشکل حالات میں راہ حق سے کبھی بھی ہٹنے نہیں دیتی۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق اور آخرت میں جواب دہی کا احساس انسان کو بیم و رجا کے بین بین جادۂ منزل کی طرف کشاں کشاں لیے جاتا ہے۔

اللہ سے ہمارا تعلق کتنا ہے اور یہ بڑھ رہا ہے یا گھٹ رہا ہے' اس پر مولانا مودودیؒ نے نہایت وضاحت سے روشنی ڈالی ہے:

> اسے معلوم کرنے کے لیے آپ کو خواب کی بشارتوں اور کشف و کرامات کے ظہور اور اندھیری کوٹھڑی میں انوار کے مشاہدے کا انتظار کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ اس تعلق کو ناپنے کا پیمانہ تو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے قلب میں رکھ دیا ہے۔ آپ بیداری کی حالت میں اور دن کی روشنی میں ہروقت اس کو ناپ کر دیکھ سکتے ہیں۔ اپنی زندگی کا' اپنی مساعی کا اور اپنے جذبات کا جائزہ لیجیے۔ اپنا حساب آپ خود لے کر دیکھیے کہ ایمان لا کر اللہ سے بیع کا جو معاہدہ آپ کر چکے ہیں' اسے آپ کہاں تک نباہ رہے ہیں۔ (تحریک اور کارکن' ص ۱۵۵)

یہ بات تو مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور استعانت کے بغیر انسان کوئی کام بھی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتا۔ جو لوگ بندگی رب کی راہ اختیار کرتے ہیں' ہر آن ان کی آزمائش ہوتی ہے۔ یہ بات قرآن مجید میں اکثر مقامات پر بیان ہوئی ہے:

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ○ (العنکبوت ۲۹:۲-۳)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ "ہم ایمان لائے" اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔

اس لیے ہماری آزمائش ضرور ہو گی کہ ہم اپنے ارادے میں مخلص ہیں یا ریاکار۔ ان آزمائشوں سے گزرنے کے بعد ہی ہم کو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد حاصل ہو گی۔ اس لیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور استعانت کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: "سورۃ الفاتحہ میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے ساتھ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ جو آیا ہے اس میں بھی یہی نکتہ ہے کہ خدا کی بندگی کا ارادہ اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک بندے کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل نہ ہو"۔

۸- احتساب اور جائزہ

انسان کتنے ہی عظیم منصوبے بنائے اور بڑی محنت اور کوشش سے راہ حق میں جدوجہد کرے' نیز اپنے نفس کی اصلاح کے لیے تگ و دو کرے لیکن ترغیبات نفس' شیطانی وساوس' حب دنیا' معاشرے کا دباؤ' خاندان کی ضروریات اور کتنی ہی اور دلچسپیاں اس کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتی ہیں اور انسان کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ سب کچھ چاہنے کے باوجود وہ اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے۔ لیکن اس صورت حال میں قناعت کر لینے سے منزل کی طرف چلنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے بار بار اپنا احتساب کرنا چاہیے۔ اپنے اعمال اور اپنی نیتوں کا جائزہ لینا چاہیے۔ جو غلطی ہوئی ہو' اس پر نادم ہو کر از سرنو جدوجہد کا آغاز کرنا چاہیے۔ یہ محاسبہ نفس کتنا گراں ہی کیوں نہ محسوس ہو' یہی وہ ذریعہ ہے جس سے انسان وقت پر چوکنا ہو کر صحیح راہ کی طرف بار بار اپنا رخ متعین کرتا ہے۔ احادیث میں مروی ہے کہ رسولؐ اللہ دن میں ستر بار یا اس سے زیادہ استغفار کرتے تھے۔ وہ ہر لمحہ اپنی فروگزاشت میں اپنے رب سے مغفرت کے طالب ہوتے تھے۔ یہ عادت اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ انسان کو آخرت کی جواب دہی کے لیے ہمیشہ تیار رکھتی ہے۔ حاسبوا قبل ان تحاسبوا' "اپنا احتساب کرو' اس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے" بڑی قیمتی نصیحت اور یاد دہانی ہے۔

تحفہ دیجیے کہ یہ سنت نبویؐ ہے

اسلامک پبلیکیشنز

کی نئی پیشکش

خوبصورت گفٹ پیک

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی درج ذیل شہرہ آفاق کتب پر مشتمل

چار رنگوں میں دیدہ زیب

باکس سیٹ

- تنقیحات
- اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات
- سود
- خطبات
- اسلام اور جدید معاشی نظریات

قیمت: 520 روپے ⟵⟶ رعایتی قیمت: 340 روپے

آج ہی حاصل کیجیے۔ اپنے گھر کے لیے' اپنے دفتر کے لیے' اپنے لیے' اپنے دوستوں کے لیے

ملنے کا پتہ:

اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

۱۳۔ای شاہ عالم مارکیٹ لاہور فون: 7664504 - 7325243 فیکس: 7658674

شوروم: ۱۰ چیمبر جی روڈ' اردو بازار' لاہور

اسلامی حکومت میں

عدلیہ کا مقام اور اختیارات

سید معروف شاہ شیرازی

انسان ایک مدنی الطبع مخلوق ہے۔ اس کی تخلیق میں اجتماعیت پوشیدہ ہے۔ یہ ہمیشہ اجتماعی شکل میں رہا ہے' خواہ یہ اجتماع خاندان کی شکل میں ہو یا ایک گاؤں کی شکل میں' بڑے بڑے شہروں کی شکل میں ہو یا پھر جدید طرز کے ممالک کی صورت میں یا اس سے بھی آگے ملت کی شکل میں۔ بہرحال انسان اپنے آپ کو کسی نہ کسی اجتماعیت کے ساتھ ضرور وابستہ کرتا ہے۔

ان تمام اجتماعیتوں میں' دین اور ملت کا اجتماع یا نظریات اور فکری اتحاد کا اجتماع' "ممالک" کی حدود سے بالا ہوتا ہے' مثلاً ملت اسلامیہ جغرافیائی حدود و قیود کی پابند نہیں ہے۔ مسلم جہاں بھی ہو' انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے' مسلم ہے اور اس کی اپنی ایک سائٹی ہے۔

اجتماعی زندگی میں انسانوں کے درمیان تنازعات پیدا ہوتے ہیں' ان کو طے کرنے اور فیصلہ کرنے کے لیے مملکت کا اجتماعی نظام وجود میں آتا ہے۔ اس اجتماعی نظام کا مقصد وحید یہ ہوتا ہے کہ تمام انسانوں کے درمیان انصاف قائم کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم و جدید تمام ریاستی نظاموں میں عدلیہ کو نہایت ہی اعلیٰ مقام دیا گیا ہے۔ جدید ریاستوں کے دساتیر و روایات میں عدلیہ' ریاست کا نہایت ہی اہم' برتر اور خود مختار حصہ ہوتی ہے۔ اس لیے کہ جس طرح ایک انسان اور انسان کے درمیان اختلافات اور تنازعات پیدا ہو سکتے ہیں' خود ریاست اور اہل کاران ریاست کے ساتھ بھی بعض افراد کے اختلافات اور تنازعات پیدا ہو سکتے ہیں۔

قرآن اور سنت کا تصور عدل

اسلام کے تصور عدل کے مطابق' قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی ریاست کا اساسی قانون (fundamental law) اور دستور ہیں۔ ان میں اسلامی معاشرے کے لیے ناقابل تغیر اسد

قوانین وضع کیے گئے ہیں۔ قرآن کریم اسلامی ریاست پر لازم قرار دیتا ہے کہ اس کے تمام فیصلے بذریعہ عدالتی حکم (decree) نافذ ہوں اور جو ایسا نہیں کرتا وہ ظالم (المائدہ ۵:۴۵)، فاسق (المائدہ ۵:۴۷) بلکہ کافر (المائدہ ۵:۴۴) ہے۔ یہ آیات تو ایک مسلمان یا ایک انسان اور انسان کے درمیان فیصلوں کے بارے میں ہیں۔ لیکن اگر ایک عام انسان اور حکومت کے درمیان تنازع اٹھ کھڑا ہو، رعیت اور راعی کے درمیان کوئی تنازع ہو تو اس کا فیصلہ بھی اللہ اور رسولؐ کی عدالت میں لے جانا ضروری ہے۔ اسلام میں عدالتی چارہ جوئی کی جواب دہی سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔ قرآن مجید اس بات کی صراحت کرتا ہے کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ (النساء ۴:۵۹) ''اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اللہ کے رسولؐ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمھارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف پھیر دو''۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا فورم ہے جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس تنازعے کا فیصلہ کرے گا۔ زمانہ نبوتؐ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بطور نبی، قرآن کے حامل اور سنت رسولؐ کا مجسمہ تھے۔ آپؐ اللہ کے رسول اور نمایندے تھے۔ یوں ان کی طرف لوٹنے والا تنازع، اللہ اور رسولؐ اللہ کی طرف لوٹ آتا تھا اور آپؐ کو واضح حکم تھا کہ آپؐ اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے کریں۔ اب یہ فورم بالاتفاق اور بالاجماع، اسلامی عدلیہ ہے۔ یوں اسلامی تصور عدل کے مطابق، اسلامی ریاست کے دوسرے بنیادی اداروں، انتظامیہ اور مقننہ کے مقابلے میں، اسلامی عدلیہ اور سپریم کورٹ کو ایک گونا برتری اور تقدس حاصل ہوتا ہے کہ وہ خدا اور رسولؐ خدا کے جانشین ہوتے ہیں اور برتر مقام رکھتے ہیں (معین الحکام، طرابلسی، ص ۲)۔ علامہ قرافی نے اس نکتے کی وضاحت نہایت صراحت سے کی ہے کہ ججوں کے لیے یہ لازمی ہے کہ وہ قرآن و سنت کے مطابق فیصلے کریں اور اجتہادی امور میں اشباہ و نظائر کے مطابق اپنی رائے سے فیصلے دیں اور جب کوئی جج اپنی اجتہادی رائے سے کوئی فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ اس متعین مقدمے میں نص من اللہ ہو جاتا ہے۔ اس کی رائے گویا آیت من آیات اللہ ہو جاتی ہے اور وہ جج ڈگری پاس کر کے گویا متکلم من اللہ ہوتا ہے۔ کیونکہ نصوص شریعت نے جج کو یہ مقام دیا کہ گفتہ او گفتہ اللہ بود (الفروق، شہاب الدین قرافی، ج ۲، ص ۲۵، دار الکتب، بیروت)۔

مثلاً، ایک جج یہ فیصلہ کرے کہ عبدالرحمن نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین مرتبہ طلاق دے دی ہے، یہ ایک واقع ہوئی ہے اور وہ اپنی بیوی سے دوبارہ نکاح یا عدت میں رجوع کر سکتا ہے تو کوئی مفتی، عبدالرحمن کے واقعے میں، اس کے خلاف فتویٰ نہیں دے سکتا۔ اس کا نکاح احناف کے نزدیک بھی جائز ہو گا، اولاد کا نسب ثابت ہو گا وغیرہ۔ اسی طرح ایک شخص اگر اپنی ساس کے ساتھ مجامعت کرے اور جج یہ فیصلہ کر دے

کہ بیوی اس پر حرام نہ ہو گی تو اس خاص مقدمے میں نکاح جائز ہو جائے گا کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے (لسان الحکام، ابن شحنہ حنفی، ص ۷، حاشیہ معین الحکام)۔ میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی قاضی کے فیصلے کے نتیجے میں لوگوں کا مسلک اور نظریہ اور رائے بدل جائے گی، یا اہل مسلک اپنے مسلک اور تحقیقات سے دست بردار ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ عبدالرحمن اور اس کی بیوی کی حد تک فریقین کے حق متعین ہو جائیں گے اور عبدالرحمن کی بیوی کا اگر عقیدہ حنفی بھی ہو اور وہ تین طلاقوں کو تین ہی سمجھتی ہو لیکن وہ اس کی بیوی رہے گی۔ البتہ عبدالرحمن اور اس کی بیوی کے علاوہ دوسرے حنفیوں پر اس جج کے فیصلے کا اطلاق نہ ہو گا۔ دوسرے لوگوں کے استفتا پر، حنفی فقہا بدستور اپنے مسلک کے مطابق فتویٰ دے سکیں گے اور دوسرے لوگ اپنے مسالک کے بارے میں آزاد ہوں گے۔

اسلام میں عدلیہ کا دائرہ اختیار (Jurisdiction)

یہاں ایک اہم سوال ہمارے سامنے یہ آتا ہے کہ اسلامی تصور عدل کے مطابق، اسلامی عدلیہ کا سرچشمہ اختیارات کیا ہے؟ اسلامی شریعت کی رو سے، قاضی القضاۃ کے اختیارات، خصوصاً وہ اختیارات جن کا تعلق ریاستی امور کی عدالتی نظرثانی (review power) سے ہوتا ہے، ان کا سرچشمہ "قرآن و سنت" ہیں۔ ججوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ قرآن و سنت کے مطابق بلاروک ٹوک فیصلے کریں۔ ان کے اختیارات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

ہمارے فقہا نے یہ تصریح کی ہے کہ قاضی القضاۃ چند خالص انتظامی معاملات کے سوا تمام دوسرے امور کے بارے میں احکام صادر کر سکتا ہے۔ علامہ ابن فرحون لکھتے ہیں:

> قرافی کا خیال ہے کہ قاضی کے اختیارات میں صرف عدالتی احکام آتے ہیں۔ قاضی کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ فیصلے نافذ کرے یا سزائیں دے۔ خصوصاً ایسے قاضیوں کے دائرہ کار میں یہ امور نہیں آتے جن کے پاس قوت تنفیذ نہ ہو، مثلاً بڑے بادشاہوں (ڈکٹیٹروں) کے خلاف تو کوئی قاضی کسی فیصلے کے نفاذ (execution) کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس لیے ایک جج کا کام صرف یہ ہے کہ وہ فیصلے کا اعلان کر دے۔ رہا فیصلے کا نفاذ تو وہ اس کے فیصلے کے بعد ایک زائد امر ہے۔ اس لیے کہ حکام کبھی تو قاضیوں کو نفاذ حکم کے اختیارات دیتے ہیں اور کبھی نہیں دیتے (کبھی وہ تعاون کرتے ہیں کبھی نہیں کرتے)۔ ہاں غنائم اور بیت المال کی رقومات کی تقسیم کے اختیارات ججوں کو نہیں ہوتے۔ اس طرح حدود و تعزیرات کا نفاذ، فوجی تیاریوں، باغیوں کی سرکوبی، زمینوں کی تقسیم و انتظامات میں بھی قاضیوں کو اختیار نہیں ہے۔ یہ اختیارات کوئی جج صرف حکومت وقت کی اجازت سے استعمال کر سکتا ہے" (تبصرہ الحکام، ابن فرحون، ج ۱، ص ۱۲۔ معین الحکام، طرابلسی،

ص ۱۱)۔

قاضی قرافی نے یہ جو کہا ہے کہ ججوں کے پاس سزاؤں کے نفاذ کا اختیار نہیں ہے، یہ محل نظر ہے۔ مذاہب اربعہ کی روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہ اختیار حاصل ہے۔

ججوں کے اختیارات کے سرچشمے

فقہائے اسلام نے ججوں کے اختیارات اور دائرہ کار کے تین سرچشموں کی نشان دہی کی ہے:

۱۔ حکومت وقت یا قاضی القضاۃ کو مقرر کرنے والی اتھارٹی، یعنی وہ اختیارات جو کسی بادشاہ، کسی ڈکٹیٹر، کسی خلیفہ نے اسے تحریری طور پر یا زبانی طور پر دیے ہوں۔ گویا تقرری کی دستاویز اس کے اختیارات کا اصل سرچشمہ ہے۔ جس طرح نبی کریمؐ نے حضرت معاذ ابن جبلؓ کو اور حضرت عمرؓ نے اپنے قضاۃ کو تحریری اور زبانی ہدایات دیں۔

۲۔ دوسرا سرچشمہ "عرف" ہے۔ فقہا نے عرف عام اور وقت کے دستور کو بھی قاضیوں کے اختیارات کا سرچشمہ تسلیم کیا ہے۔ (تبصرۃ الحکام، ابن فرحون، ج ۱، ص ۱۳، معین الحکام، طرابلسی، ص ۴)۔

"عرف" سے کیا مراد ہے؟ وہ دستوری روایات یا رسم و رواج، جن کے مطابق کسی سوسائٹی کا دستوری نظام طے ہوتا ہے، دور جدید کا عرف تصور ہو گا۔ برطانیہ میں آج بھی غیر تحریری دستور ہے۔ گویا بنیادی قوانین کا تعین، برطانیہ کا عرف اور دستوری روایات ہی کریں گی۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، قرآن و سنت اسلام کے بنیادی اور دستوری قوانین ہیں۔ البتہ کسی ملک کے لیے قرآن و سنت کے علاوہ بھی کسی دستوری نظام کا تعین ہو سکتا ہے، اس شرط پر کہ یہ نظام قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو۔ جس طرح پاکستان کا دستور ہے۔

حضور اکرمؐ جب مدینہ تشریف لائے تو قرآن و سنت کے موجود ہوتے ہوئے بھی، آپؐ نے ایک میثاق تیار فرمایا جس کو بجا طور پر ایک تحریری دستور قرار دیا جاتا ہے۔ اس پر مسلمانوں، مشرکین مدینہ، یہودی قبائل اور بعض دوسرے قبائل نے بھی دستخط کیے۔ ابن ہشام کے مطابق اس کی ۵۱ دفعات تھیں۔ اس میں بھی عدالتی اختیارات اللہ اور رسولؐ اللہ کے سپرد کیے گئے تھے۔ دفعہ ۲۵ یہ ہے:

If there is any dispute over any matter, it shall be referred to Allah and to Muhammad۔ اس دفعہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ رسولؐ اللہ کا لفظ نہیں لکھا گیا کیونکہ اس پر دستخط کرنے والے بعض قبائل حضورؐ کو نبی نہ مانتے تھے لیکن اس میں یہ تسلیم کرایا گیا کہ فیصلہ قانون الٰہی کے مطابق ہو گا۔ The Shape of Basic Organs in Islamic State, by

Maroof Shah, p 53) - ضمیمہ بھی ملاحظہ کیجیے)۔

۳- حاکم وقت کی تقرری اور عرف و دستور کے مطابق تقرر کے علاوہ' ایک تیسرے طریقے کا بھی فقہا نے ذکر کیا ہے۔ اگر کسی جگہ حکومت نہ ہو اور کوئی دستوری روایت بھی نہ ہو' یا مقامی لوگ حکومت کی جانب سے کسی قاضی کا تعین نہ چاہتے ہوں یا ان کے لیے حکومت کی منظوری لینا ممکن نہ ہو یا حکومت موجود نہ ہو' مثلاً عبوری دور ہو یا انقلابی دور ہو اور ابھی باقاعدہ حکومت نہ ہو وغیرہ' تو اس صورت میں اہل حل و عقد باہم اتفاق کر کے کسی اہل شخص کو علاقے کا قاضی مقرر کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ یہ لوگ جو مقرر کرنے والے ہیں' وہ اہل حل و عقد ہوں اور جس شخص کو مقرر کر رہے ہوں' اس کے اندر وہ تمام صفات پائی جاتی ہوں' جو قاضی کے لیے ضروری ہیں۔ برعظیم میں' انگریزی دور میں' کئی علاقوں میں لوگوں نے انگریز ججوں کے مقابلے میں اس طرح اپنے قاضی مقرر کر رکھے تھے اور وہ شرعی فیصلے کرتے تھے۔

اس صورت میں اس قسم کے جج کی عدالت گویا عوامی عدالت قرار پاتی ہے۔ ایسی عدالت کے اختیارات (jurisdiction) اور حدود کار' وہ ہوتے ہیں جو عوام یا کسی سوسائٹی کے ارباب حل و عقد طے کر دیتے ہیں۔ ایسے جج کے فیصلوں میں قوت نافذہ بھی عوام کا اٹل ارادہ ہی قرار پاتا ہے۔

اس قسم کا جج یا قاضی چونکہ عوامی ارادے کے مطابق کام کرتا ہے' اس لیے اس قسم کی عدالت نہایت ہی مضبوط عدالت ہوتی ہے اور وہ نہایت ہی مضبوط فیصلے کرتی ہے۔ کیونکہ اس کی پشت پر ایک عوامی قوت ہوتی ہے۔ (تبصرۃ الحکام' ابن فرحون' ج ۱' ص ۱۵' بحوالہ علامہ مازری)۔

ماتحت ججوں کا تقرر

اسلامی عدلیہ کی تاریخ گواہ ہے کہ صرف چیف جسٹس کے تعین اور تقرر میں' انتظامیہ' خلیفہ' صدر مملکت یا وزیراعظم کا دخل ہوتا ہے۔ یہ کام کوئی بھی حکمران کر سکتا ہے' خواہ وہ کوئی ڈکٹیٹر ہو یا کوئی منتخب خلیفہ' وزیراعظم ہو یا صدر مملکت۔ یہ کام حالات زمانہ' وقت کے دستور اور رواج پر موقوف ہے۔ یہ تقرری سربراہ مملکت بطور نائب عامۃ المسلمین کرے گا' اس لیے کہ اگر مذکورہ لوگ معزول ہو جائیں تو چیف جسٹس معزول نہ ہو گا" (بدائع الصنائع' الکاسانی' ج ۷' ص ۱۶)۔

اسلامی تصور عدل کے مطابق ماتحت ججوں کا تقرر بہرحال قاضی القضاۃ کا کام ہے۔ اسلامی عدلیہ کی تاریخ و روایات میں اس کی مثالیں ملتی ہیں کہ چیف جسٹس کے لیے مناسب ہے کہ وہ ماتحت ججوں کے تقرر کے وقت حاکم وقت یا گورنر کے ساتھ مشورہ کرے۔ ان ماتحت ججوں کے اختیارات وہی ہوں گے جو قاضی القضاۃ ان کے سپرد کرے۔ قاضی القضاۃ کو یہ اختیار ہو گا کہ وہ ان کو معزول کر دے اور ماتحت جج کا مرتبہ قاضی القضاۃ کے برابر ہو گا۔ فرق صرف یہ ہو گا کہ قاضی القضاۃ کے حدود اختیارات وسیع ہوں گے جبکہ اس کے

محدود ہوں گے۔ (بدائع الصنائع' الکاسانی' ج ۷' ص ۱۶)۔

دور حاضر میں اکثر ممالک میں تحریری دستور بنا دیے گئے ہیں اور اکثر دساتیر میں یہ طے ہوتا ہے کہ قاضی القضاۃ' سپریم کورٹ یا کسی بھی اعلیٰ ترین عدالت کے ججوں میں سے مقرر کیا جائے گا۔ اب اگر یہ اصول تسلیم کر لیا جائے کہ اعلیٰ عدالتوں کے جج قاضی القضاۃ کے مقرر کردہ ہوں گے' تو اس طرح جو بھی قاضی القضاۃ مقرر ہو گا' وہ درحقیقت خود عدلیہ کا مقرر کردہ ہو گا۔ کسی سربراہ ریاست کی جانب سے اس کی تقرری' ایک رسمی تقرری ہو گی۔

سپریم کورٹ پاکستان نے اپنے حالیہ فیصلے کے ذریعے ہمارے موجودہ دستور میں پائی جانے والی دفعات کی تشریح کر دی ہے۔ چیف جسٹس اور ماتحت ججوں کی تقرری کے بارے میں ہمارے دستور کی دفعات یہ ہیں:

آرٹیکل ۱۷۷(ا) چیف جسٹس کا تقرر صدر کریں گے اور دوسرے ججوں کا تقرر صدر' چیف جسٹس کے ساتھ مشورے کے بعد کریں گے۔

یہ ایک اہم سوال ہے کہ چیف جسٹس کے ساتھ مشورے کا کیا مطلب ہے۔ کیونکہ اگر کوئی کسی کے ساتھ مشورہ کرے اور اس کے بعد اپنی مرضی کرے' تو وہ کوئی بامقصد مشورہ نہ ہو گا۔ تمام دنیا میں ڈکٹیٹر اور برخود غلط سربراہ' ججوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے رہے ہیں۔ لیکن اسلامی تاریخ اور اسلامی روایات گواہ ہیں کہ ہماری تاریخ میں اخلاقی اور شرعی اعتبار سے کمزور سے کمزور بادشاہوں نے بھی چیف جسٹس کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا۔ اس بارے میں ہماری سپریم کورٹ نے ۱۹۹۶ میں نہایت اہم فیصلہ دیا ہے اور اسلامی نظائر کی روشنی میں ہمیشہ کے لیے یہ بات طے کر دی ہے کہ ججوں کے تقرر میں چیف جسٹس کے مشورے کی کیا اہمیت ہے۔ صدر مملکت کو اسے بالعموم تسلیم کرنا چاہیے' اور اگر نہ کرے تو اس کی وجوہ تحریر میں لائے۔ یہ بات بھی طے ہو گئی ہے کہ چیف جسٹس کا تقرر' سپریم کورٹ کے ججوں میں سے' بالعموم سنیارٹی کے مطابق کیا جائے۔ اور سپریم کورٹ کے جج خود بھی سپریم کورٹ کے مشورے سے مقرر ہوں گے۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کا تقرر بھی عملاً سپریم کورٹ کے ذریعے ہی ہو گا اور صدر یا وزیراعظم کی جانب سے تقرری ایک رسمی امر ہو گا۔ یہ رسمی کام بھی وہ عوام الناس کی نیابت میں کریں گے۔ (پی ایل ڈی ۱۹۹۶' سپریم کورٹ۔ ۳۲۴' پیرا ۳۴ تا ۷' ۴' ص ۳۸۶ تا ۳۸۸)۔

اسلامی تاریخ میں عملاً ایسے واقعات ہوئے کہ خلیفہ نے چیف جسٹس کو کسی مقام پر قاضی مقرر کرنے کے لیے کہا ہے' یا جدید الفاظ میں کسی مقام پر جج یا قاضی کی اسامی نکالی ہے اور قاضی القضاۃ سے درخواست کی ہے کہ اس پر جج کا تقرر کیا جائے' اور بعدہ اس اسامی پر کسی معین شخص کے تقرر کی سفارش کی ہے تو قاضی القضاۃ یا علاقائی قاضی جسے ماتحت قاضی مقرر کرنے کا اختیار ہوتا تھا' انھوں نے خلیفہ کی سفارش کو رد کر

دیا ہے۔

ججوں اور ان کے مقرر کرنے والوں کا معیار

یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ ججوں کے اختیارات کیا ہیں اور ان کو متعین کرنے والی قواے مقتدرہ کیا ہیں۔ ججوں کے اختیارات ماسواے چند خالص انتظامی امور کے استثنا کے' زندگی کے عام چھوٹے بڑے امور تک پھیلے ہوئے ہیں اور متعین کرنے والی قواے مقتدرہ میں بالعموم' بادشاہ' ڈکٹیٹر' عرف و دستور کے مطابق کام کرنے والے مجاز افراد' اور بعض اوقات عوام الناس شامل ہیں جو قاضی القضاۃ کو مقرر کر سکتے ہیں' یعنی جس دور اور جس سوسائٹی میں' ان میں سے جو بھی مقتدر اعلیٰ ہو۔

سوال یہ ہے کہ کیا قاضی کو مقرر کرنے والی قوتوں کے بارے میں ضروری ہے کہ وہ صالح اور اہل ہوں اور ان کی حکومت قانونی اور جائز ہو اور وہ اسلامی ضابطہ حیات کے مطابق زندگی گزارتے ہوں یا کوئی فاسق و فاجر اور غیر قانونی اتھارٹی بھی ججوں کا تعین اور تقرر کر سکتی ہے' مثلاً کوئی فاسق و فاجر کسی کو قاضی القضاۃ مقرر کر دے تو کیا وہ قاضی بن جائے گا؟ یا عرف اور دستور کے مطابق فیصلہ کرنے والی کوئی قوت فاسق و فاجر ہو' مثلاً آج کے زمانے میں صدر اور وزیر اعظم جو بالعموم شریعت کے پابند نہیں ہوتے' تو کیا جج درحقیقت جج بن جائے گا؟ یا عوام میں سے فساق و فجار' کسی کو جج بنا دیں تو کیا وہ اسلامی شریعت کے مطابق قاضی القضاۃ بن جائے گا؟

فقہا کے درمیان' نہایت ہی ابتدائی زمانہ خلافت اسلامی میں' اس بارے میں اختلاف رہا ہے۔ پہلا اختلاف' فقیہ عبداللہ ابن فروخ (فارسی) اور علامہ ابن غانم قاضی افریقہ (عربی) کے درمیان ہوا۔ یہ دونوں امام مالکؒ کے شاگرد تھے۔ علامہ ابن فروخ کا کہنا یہ تھا کہ اگر کوئی فاسق و فاجر حکمران کسی کو قاضی القضاۃ مقرر کرے' تو اسے قبول نہ کرنا چاہیے جبکہ ابن غانم کا یہ کہنا تھا کہ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ یہ منصب قبول کرے اگرچہ حاکم وقت فاسق و فاجر ہو۔ یہ بات امام مالکؒ کو لکھ کر بھیجی گئی تو ان کا جواب یہ تھا: "فارسی" کا موقف درست ہے اور جو اپنے آپ کو عربی سمجھتا ہے' وہ غلط رائے رکھتا ہے" (تبصرۃ الحکام' ابن فرحون' ج ۱' ص ۱۶)۔

البتہ امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ امام (appointing authority) کا نیک ہونا یا فاسق و فاجر ہونا' یا حاکم جابر ہونا' زیادہ اہم نہیں ہے' اصل بات یہ ہے کہ اگر امام بہت نیک بھی ہو لیکن ہو ظالم' اور اس کے تحت انصاف نہ ہو سکتا ہو' تو پھر قاضی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس منصب کو قبول کرے (لسان الحکام' ابن شحنہ حنفی' ص ۳' حاشیہ معین الحکام)۔

درج بالا بحث سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام قاضی القضاۃ کے منصب کو اس قدر تقدس دیتا ہے کہ اس منصب پر متعین ہونے والے افراد کا معیاری ہونا تو لازمی ہے ہی' ان کے متعین کرنے والوں اور ان کے

اختیارات (jurisdiction and authority) کے سرچشمے کو بھی، اسلام ایک جائز اور صاف سرچشمہ ہونا ضروری قرار دیتا ہے۔ اور اس کے لیے کم از کم شرائط یہ عائد کرتا ہے کہ یہ منصب اور ولایت تب قبول کی جا سکتی ہے، جب انصاف کے تقاضے پورے کیے جا سکتے ہوں۔ لیکن اگر قاضی سمجھتا ہو کہ انصاف نہ کیا جا سکے گا تو اس کے لیے یہ منصب قبول کرنا ناجائز ہے۔

قاضی کی صفات

قاضی کے لیے اسلامی نظام نے بہت کڑی شرائط رکھی ہیں۔ ان شرائط کو پورا نہ کرنے والے کسی جج کا تقرر نہیں کیا جا سکتا۔

۱۔ مسلمان ہونا: تمام فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں قاضی کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ کوئی غیر مسلم، اسلامی ریاست میں، قضا کے عہدے پر فائز نہیں ہو سکتا۔ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے (تبصرۃ الحکام، ابن فرحون، ج ۱، ص ۱۸)۔

لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا کہ قاضی کے تقرر، اس کے اختیارات اور حدود کار کا تعین، عرف و دستور کے مطابق ہو گا۔ اگر کوئی اسلامی مملکت یہ دستوری فیصلہ کرتی ہے کہ اس میں غیر مسلم جج، اسلامی قانون اور دستور کے مطابق فیصلے کر سکتے ہیں تو اس کے لیے یہ جائز ہے۔ شریعت کا اصل مقصد یہ ہے کہ فیصلے اسلامی قانون کے مطابق ہوں۔ اگر مسلمان جج ہو اور وہ اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے نہ کرے تو قرآن کریم اس کے لیے کافر کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اگر ایک کافر جج، اسلامی قانون کے مطابق فیصلے کرے، تو وہ اس مسلمان جج سے اچھے موقف کا حامل ہو گا جو اسلامی قانون کو قابل عمل ہی نہیں سمجھتا۔ اسلام نے ججوں کے تقرر، ان کے اختیارات کی حدود اور ان کی شرائط کو، عرف اور دستور کے مطابق قرار دیا ہے۔ (تبصرۃ الحکام، ابن فرحون، ج ۱، ص ۳۱ بحوالہ علامہ ابن قیم)۔ جہاں تک پاکستان کا دستور ہے، اس میں ابھی تک کوئی ایسی پابندی نہیں ہے کہ قاضی مسلمان ہو۔

۲، ۳۔ عاقل ہونا، بالغ ہونا: ان دو شرائط پر بھی ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ البتہ حالات اور دستور کے مطابق، کسی سوسائٹی کو یہ اختیار ہے کہ وہ عاقل ہونے کی شرط کی کم از کم حدود مقرر کرے، مثلاً اس قدر کافی نہیں ہے کہ کوئی پاگل نہ ہو، عاقل ہو، بلکہ اسے بہترین درجے کا عقل مند انسان ہونا چاہیے۔ ایسا عقل مند جس سے غلطی کا صدور کم از کم ہو اور نفسیاتی لحاظ سے بھی وہ درست ہو۔ نیز عدالتی حکمت عملی کو بھی سمجھتا ہو (تبصرۃ الحکام، ابن فرحون، ج ۱، ص ۱۸)۔

اسی طرح بلوغ کے لیے بھی، یہ کافی نہیں ہے کہ وہ بالغ ہو گیا ہو بلکہ حکومت وقت اس کے لیے عمر کی ایک حد مقرر کر سکتی ہے جو اس کے لیے معیاری سن رشد ہو۔ جیسا کہ آج کل دساتیر و روایات میں سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ججوں کے لیے کم از کم عمر کی حد کا تعین ہوتا ہے۔ یہ امور شریعت نے ہر کسی سوسائٹی کے

اختیارات میں دے دیے ہیں کہ وہ اپنے لیے اس معاملے میں جو عرف اور دستور چاہے مقرر کر دے۔

۴۔ آزاد ہونا: اسلام نے حریت اور آزادی کو اہمیت دی ہے اور غلامی کو انسانیت سے فروتر صفت قرار دیا ہے۔ غلامی کی ایک شکل تو وہ تھی جس میں ایک شخص دوسرے کا غلام اور مملوک ہوا کرتا تھا اور بکتا بکاتا تھا۔ یہ اب نہیں ہے۔ شریعت نے یہ لازم کیا ہے کہ قاضی وہ شخص نہ ہو جو غلام ہو کیونکہ غلامی سے ضمیر بدل جاتا ہے اور لوگوں کے حقوق کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو سکتا ہے۔

دور جدید میں بھی غلامی کے طور و اطوار موجود ہیں' لہٰذا قاضی کے عہدے کا انتخاب کرتے وقت یہ دیکھنا چاہیے کہ زیر انتخاب شخص پست ذہنیت اور کمزور کردار والا نہ ہو۔ وہ عزت نفس کا مالک ہو اور ایک آزاد شہری ہو۔ آج ہمارے معاشرے میں ایسے طبقات موجود ہیں جو عام انسانی آزادیوں سے محروم ہیں' بلکہ بعض طبقات کو بااثر افراد نے غلاموں سے بھی بدتر درجے میں رکھا ہوا ہے۔ ایسے لوگوں میں ظاہر ہے کہ جوانمردی' مروت' عزم اور قوت فیصلہ کا فقدان ہوتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آزادی کے لحاظ سے بھی ایک شخص کو دیکھا جائے۔ آج کل پیشہ وکالت میں بھی ایسے لوگ داخل ہو گئے ہیں۔ ایسے لوگوں کو چونکہ جج اور قاضی اچھی طرح جانتے ہیں' اس لیے قاضی کے تقرر میں خود قاضی القضاۃ کی رائے حتمی ہونا چاہیے۔ جیسا کہ سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلے نے قرار دیا ہے۔

۵۔ عادل ہونا: جج و قاضی کے لیے عادل ہونا بہت ضروری ہے۔ عادل کے معنی ہی یہ ہیں کہ کم از کم ایسا شخص ہو جو بطور گواہ عدالت میں پیش ہو سکے۔ ظاہر روایت کے مطابق حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر بوقت تقرر عادل ہو اور بعد میں وہ غیر عادل ہو جائے تو وہ خود بخود معزول نہ ہو گا' اسے معزول کیا جائے گا۔ البتہ امام شافعیؒ اسے اہل ہی نہیں سمجھتے۔ اور یہی مسلک اصحاب ثلاثہ سے مروی ہے۔ (ہدایہ' کتاب القضا)

مالکیہ میں سے قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اگر امام وقت کسی غیر معیاری شخص کو قاضی مقرر کر دے تو اس کے تمام فیصلے مسترد ہوں گے' اگرچہ وہ فیصلے عادلانہ ہوں اور انصاف و قانون کے تقاضوں کے مطابق کیے گئے ہوں۔ لیکن امام مالکؒ کے دوسرے اہم راوی سحنون کہتے ہیں کہ اس کے فیصلے درست ہوں گے۔ جب تک اسے معزول نہیں کر دیا جاتا' وہ قاضی رہے گا اور فیصلے نافذ ہوں گے مگر اس کا معزول کیا جانا لازمی ہے (تبصرۃ الحکام' ابن فرحون' ج ۱' ص ۱۸)۔ امام شافعیؒ بھی اس طرف گئے ہیں کہ کوئی فاسق قاضی نہیں بن سکتا اور اگر کسی نے کسی فاسق اور غیر معیاری شخص کو قاضی مقرر کر دیا تو اس کے تمام فیصلے کالعدم ہوں گے۔ امام ابو حنیفہؒ اس طرف گئے ہیں کہ ایک فاسق بھی قاضی بن سکتا ہے اگرچہ' کسی فاسق اور غیر معیاری شخص کو قاضی مقرر کرنا کوئی اچھا فعل نہیں ہے۔ اس طرح احناف کے نزدیک ایسے شخص کے فیصلے نافذ ہوں گے جب تک کہ اسے معزول نہیں کیا جاتا (بدائع الصنائع' الکاسانی' ج ۷' ص ۳)۔

یہ ایک فنی قسم کا اختلاف ہے۔ تمام فقہا' فاسق کو جج و قاضی بنانا پسند نہیں کرتے۔ اگر بن جائے تو

دوسرے ائمہ اس کے فیصلوں کو بھی رد کرتے ہیں لیکن امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ فیصلوں کو رد نہ کیا جائے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک زیادہ عملی ہے۔ سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلے کے نتیجے میں یہی سوال پیدا ہو گیا ہے کہ موجودہ حکومت نے ایک پارٹی کے کارکنوں کو جج بنا دیا' سپریم کورٹ نے ان کی تقرری کو کالعدم کر دیا۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے فیصلے کیے ہوں گے۔ مناسب یہی ہے کہ فیصلوں کو نافذ سمجھا جائے ورنہ لوگوں کے لیے بڑی مشکلات پیدا ہوں گی اور مقدمہ بازی کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

۶- **جج کا مرد ہونا:** امام شافعیؒ' امام احمد ابن حنبلؒ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ عورت منصب قضا کے لیے اہل نہیں ہے۔ ان کے نزدیک عورت کی شخصیت میں کچھ کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے اس کو قاضی کی ذمہ داریاں دینا مناسب نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ عورت حدود کے علاوہ تمام دوسرے معاملات میں قاضی بن سکتی ہے' اس لیے کہ حدود کے علاوہ تمام دوسرے معاملات میں اس کی گواہی معتبر ہے' نیز عورت اگر مفتی ہو سکتی ہے تو جج بھی ہو سکتی ہے (بدائع الصنائع' الکاسانی' ج ۷' ص ۳)۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قضا کی اہلیت' شہادت میں اہلیت کے ساتھ چلتی ہے۔ اگر کسی معاملے میں عورت کی شہادت جائز نہ ہو' تو اس معاملے میں عورت قاضی بھی نہیں ہو سکتی۔ حدود میں عورت کی شہادت کے بارے میں فقہا کے درمیان اختلافات ہیں۔ عام رائے کے مطابق' جس کی اساس پر پاکستان کے قوانین حدود مدون ہوئے ہیں' حدود میں عورت کی شہادت قبول نہیں ہے۔ فقہا نے یہ رائے سورہ نور آیت (۴) کے الفاظ "اربعہ شہداء" کی بنا پر اختیار کی ہے کہ اربعہ عدد مونث ہے تو معدود بدل مذکر ہو گا۔ لیکن یہ استدلال آیت (۶) کی تشریح میں قائم نہیں رہتا جس میں صرف شہدا کا لفظ ہے جو مرد و عورت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور آیت (۴) قذف اور آیت (۶) لعان میں الزام کی نوعیت ایک ہے یعنی الزام بدکاری۔ (اس سلسلے میں تفصیلات کے لیے دیکھیے فیڈرل شریعت کورٹ کا فیصلہ بیگم رشیدہ پٹیل بنام سرکار۔ (پی ایل ڈی ۱۹۸۹' فیڈرل شریعت کورٹ' ص ۹۵)

عورت کے لیے بعض اہم کاموں کا عدم جواز' اس وجہ سے نہیں ہے کہ اسلام مرد کے مقابلے میں عورت کو فروتر مخلوق سمجھتا ہے' بلکہ اس میں دراصل عورت کی فطرت' نفسیات اور اس کی شخصیت کے بعض پہلوؤں کی وجہ سے عورت کو بعض مشکل امور سے مستثنیٰ کیا گیا ہے' مثلاً سربراہ مملکت ہونا' جج ہونا' افواج کا کمانڈر انچیف ہونا اور عدالتوں میں گواہی دینا۔ یہ تمام امور مشکل امور ہیں اور اسلام صنف نازک ہونے کے حوالے سے' ان کو عورت کے سپرد کرنے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک اس سلسلے میں زیادہ عملی ہے۔ بعض اوقات کوئی سوسائٹی مجبور ہو سکتی ہے کہ اس میں کسی عورت کو جج مقرر کیا جائے۔ لہٰذا اس کا دروازہ بالکل بند بھی نہ ہونا چاہیے۔

۷- **جج کا مجتہد ہونا:** جج کی علمی قابلیت کے نکتے پر علما کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ امام

ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ ترجیح تو ایسے شخص کو دی جائے گی جو مجتہد ہو اور قرآن و سنت اور اقوال صحابہ اور فقہا کی آرا کو سامنے رکھ کر مجتہدانہ فیصلہ کر سکتا ہو' لیکن اگر ایسا شخص دستیاب نہ ہو تو ایک عام تعلیم یافتہ شخص بھی جج بن سکتا ہے جو دوسروں سے پوچھ کر فیصلے کر سکتا ہو۔ اس کے فیصلے نافذ ہوں گے بشرطیکہ وہ شریعت کے مطابق ہوں۔

امام شافعیؒ اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جاہل بلکہ غیر مجتہد کو سرے سے قاضی مقرر ہی نہیں کیا جا سکتا اور اگر کوئی حاکم ایسا تقرر کرے تو باطل (void) ہو گا۔ امام شافعیؒ قاضی کے علمی مقام کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ کتاب اللہ' سنت رسولؐ اللہ' قرآن و سنت کے حوالے سے سلف صالحین کی تعبیرات اور نصوص شریعت سے استنباط اور قیاس احکام کی صلاحیت رکھتا ہو۔ (احکام سلطانیہ' الماوردی' ص ۶۶-۶۷)

امام احمد ابن حنبلؒ "کتاب اللہ' سنت رسولؐ" اجماع و قیاس اور فقہا کے اختلافات کے علاوہ اس کے لیے عربی زبان کا علم بھی بقدر ضرورت' ضروری سمجھتے ہیں۔ (المغنی' ابن قدامہ' جلد ۹' ص ۴۱-۴۴) مگر احناف نے جو رائے اختیار کی ہے' وہ بعض ضروری حالات کے پیش نظر کی ہے' کیونکہ ایسے حالات ہو سکتے ہیں کہ اہل علم موجود نہ ہوں یا وہ کسی وجہ سے یعنی امام کے غیر عادل ہونے کی وجہ سے' عہدہ قبول کرنے کے لیے ہی تیار نہ ہوں تو جاہل یا کم عالم کو مقرر کر کے یہ ہدایت دی جا سکتی ہے کہ وہ علما' وکلا اور مفتیان کرام سے پوچھ کر یہ کام کرے۔ احناف نے اس جواز کی یہی علت بتائی ہے (بدائع الصنائع' الکاسانی' ج ۷' ص ۳)۔ ورنہ وہ بھی اس قسم کی تعیناتی کو فاسد اور غیر مناسب بہرحال کہتے ہیں۔

لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ججوں کا درجہ اجتہاد تک شریعت کا عالم ہونا بالاتفاق مستحسن ہے۔ دوسرے ائمہ' جاہل کے تعین کو باطل (void) قرار دیتے ہیں اور احناف اسے فاسد (voidable) قرار دیتے ہیں۔ احناف کے نزدیک اگر اس قسم کا کوئی جج فیصلہ کر دے تو وہ مردود نہ ہو گا' بشرطیکہ فیصلہ قانون شریعت کے مطابق درست ہو۔ دیگر ائمہ کے نزدیک وہ مردود اور باطل ہو گا اگرچہ وہ میرٹ پر ہو اور قانون کے مطابق ہو۔

دور حاضر کے دساتیر و ضوابط میں ججوں کے لیے جدید زمانے کے تقاضوں کے مطابق علمی شرائط مقرر کر دی گئی ہیں۔ درج بالا تصریحات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کے لیے تو نہایت ہی سخت اور کڑی شرائط درکار ہیں اور ماتحت عدالتوں کی تقرری کے لیے قدرے نرم شرائط مناسب ہیں۔

۸- **سماعت و بصارت اور نطق کی صلاحیت:** سننے اور دیکھنے کی قوت کی صحت و سلامتی پر قاضی عیاض نے اجماع نقل کیا ہے۔ یہی مشہور و معروف رائے ہے۔ امام مالکؒ سے یہ روایت ہے کہ اندھے کا فیصلہ نافذ ہو گا۔ وثائق لابن قاسم میں اس کی تصریح موجود ہے اور یہ کہا گیا ہے۔ علامہ ابن شاسؒ نے کہا ہے کہ قاضی کی تقرری کے لیے یہ لازمی شرط ہے۔ اگر قاضی ان صفات میں سے کسی ایک صفت سے محروم ہو

جائے تو اس کی تعیناتی کو منسوخ کیا جائے گا (تبصرۃ الحکام' ابن فرحون' ج ا' ص ۱۸-۱۹)

قاضی اور فقہی مسالک و مذاہب

فقہا نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قاضی مشہور مذاہب و مسالک میں سے کسی ایک مذہب اور مسلک کے مطابق فیصلے دینے کا پابند نہ ہو گا اور نہ ہی اس کی تعیناتی کرنے والی اتھارٹی' اسے پابند کر سکتی ہے کہ وہ فلاں مذہب اور مسلک کے مطابق فیصلے کرے گا۔ اگر کسی ریاست کا سربراہ حنفی ہو تو وہ قاضی القضاۃ کو پابند نہیں کر سکتا کہ وہ حنفی مسلک یا مالکی مسلک یا کسی دوسرے مسلک کے مطابق فیصلے کرے گا۔ قاضی فقط کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلے کرنے کا پابند ہے اور اس کے بعد وہ اس بات کا پابند ہے کہ وہ اپنی رائے اور قیاس کے مطابق فیصلے کرے یا اشباہ و نظائر کے مطابق فیصلے کرے۔ البتہ شافعی اور مالکی اس قسم کے تقرر کے حکم کو کالعدم (void) تصور کرتے ہیں۔ احناف کہتے ہیں کہ تقرر درست ہے اور شرط باطل (void) ہے (تبصرۃ الحکام' ابن فرحون' ج ا' ص ۴۹)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ قاضی کے لیے اس قدر علمی قابلیت ضروری ہے کہ وہ اجتہاد کر سکے' ان کی یہ رائے حضور اکرمؐ کی ہدایات' خلفائے راشدین کی ہدایات اور تمام ائمہ مجتہدین کی ہدایات کے زیادہ قریب ہے۔

نیز پاکستان کے جید ۳۱ علما کے ۲۲ نکات میں بھی یہی طے کیا گیا ہے کہ فیصلے قرآن اور سنت کے مطابق کیے جائیں گے (نکتہ دوئم)۔

علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اختلافی مسائل اور اختلافی آرا میں سے اگر کوئی جج کسی ایک رائے کو ترجیح دے دے تو اس کا اثر یہ ہو گا کہ اس مخصوص مقدمے میں گویا یہ مسئلہ اب اختلافی نہیں رہا۔ اور وہی رائے نافذ ہو گی جسے کسی جج نے اپنے عدالتی فیصلے میں ترجیح دے دی ہے' مثلاً حال ہی میں لاہور ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔

علما نے یہ رائے اس لیے اختیار کی ہے کہ اگر اس اصول کو تسلیم نہ کیا جائے تو ججوں کے فیصلے متضاد ہوں گے اور کبھی کوئی فیصلہ نافذ نہ ہو سکے گا اور کبھی تنازعے کا آخری فیصلہ نہ ہو سکے گا۔ (الفروق' شہاب الدین قرافی' جلد ۲' ص ۱۰۵)

اس اصول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جج کا مجتہد ہونا ضروری ہے۔ جس طرح ہمارے دستور کے آرٹیکل ۱۸۹ میں طے کر دیا گیا ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کو مجتہد ہونا چاہیے۔

اسلامی قانون نے اس قسم کی شرائط کو اس لیے باطل قرار دیا ہے کہ جج اسلامی تصور عدالت کے مطابق قرآن و سنت اور خدا اور رسول کا نائب اور وفادار ہوتا ہے' اور اسے ایسا ہونا چاہیے اور وہ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر وہ امام (appointing authority) کا نوکر اور خادم ہے۔ (تبصرۃ الحکام' ابن فرحون' ج ا' ص ۱۷)

یہ ہیں وہ چند اہم خدوخال جو اسلامی عدلیہ میں ہمیشہ نمایاں رہے ہیں۔ (تدوین و تلخیص: مسلم سجاد)

پاکستان : حصارِ اسلام

(ایک مطالعہ)

رفیع الدین ہاشمی

پاکستان حصار اسلام ہے اور اس کی تقدیر اور اس کا مستقبل اسلام ہی سے وابستہ ہے۔ وطن عزیز کی پچاس سالہ تاریخ' پروفیسر محمد منور صاحب کے اس موقف کی تائید کرتی ہے اور یہ موقف معدودے چند' سیکولرازم گزیدہ دانش وروں کو چھوڑ کر' ہر محب وطن' دین سے وابستہ اور دردمند پاکستانی مسلمان کا موقف ہے کہ پاکستان کی معنویت اور اس کا استحکام' وطن عزیز کی اسلام سے وابستگی' اسلامی اصولوں کی پاسداری اور اسلامی اقدار کے فروغ میں مضمر ہے۔۔۔ تاریخ کی منطق کے علاوہ' خود قائداعظم محمد علی جناحؒ ' مملکت خداداد کی (سیکولر نہیں) اسلامی شناخت پر ایمان رکھتے تھے۔ پروفیسر صاحب حال ہی میں شائع ہونے والی اپنی نئی کتاب' "پاکستان: حصار اسلام" میں کہتے ہیں کہ جب پاکستان معرض وجود میں آگیا تو اس کی دینی اور اسلامی مملکت ہونے کے ثبوت میں قائداعظمؒ نے مغربی پاکستان میں ۱۵ اگست کی صبح کو پاکستان کا جھنڈا خود نہ لہرایا' بلکہ فتح و نصرت کی اس علامت کو علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے حق پرست ہاتھوں سے فضا میں لہروایا۔ اسی طرح مشرقی پاکستان میں خواجہ ناظم الدینؒ کے بجائے' علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے لہرایا۔ اس طریقے سے حضرت قائداعظمؒ اہل پاکستان اور اہل علم پر روشن کر دینا چاہتے تھے کہ وہ پاکستان کی حکومت و سیاست کو کیا رنگ دینا چاہتے ہیں۔ قائداعظمؒ نے ظہور پاکستان سے قبل بھی' اور بعد میں بھی پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ قرار دیا۔ پاکستان بن جانے کے بعد قائداعظمؒ نے پاکستان کا ذکر بار بار "مسلم سٹیٹ آف پاکستان" کہہ کر کیا' اور دنیا کے ہر نظام کے مقابل اسلام کو برتر نظام قرار دیا (ص ۴۳)۔ اس کتاب کے ذریعے معلوم ہوا کہ Pakistan is the fortress of Islam (پاکستان حصار اسلام ہے) کے الفاظ قائداعظمؒ نے اپنی ایک تقریر میں استعمال کیے تھے (ص ۱۹۳)۔

پاکستان اور بھارت کے درمیان بہ ہر نوع ایک دوری' تفاوت اور بعد المشرقین امر مسلم ہے اور باہمی تنازعات اور اس کے نتیجے میں ایک مستقل کش مکش (conflict) کا اصل سبب کہ برعظیم کے مسلمانوں کا

اپنے دین سے وابستگی پر اور پاکستان کا اپنی اسلامی شناخت پر اصرار ہے۔ سید الطاف حسین حالی نے سرزمین ہند کو "اکل الامم" قرار دیا تھا یعنی قوموں کو ہڑپ کرنے والی سرزمین--- بیرون ہند سے جو قوم آئی' ہندوؤں نے اسے اپنے اندر جذب کر لیا مگر مسلمان اس قدر سخت جان نکلے کہ وہ جذب و تحلیل نہ ہو سکے اور اپنی شناخت پر مصر رہے۔ چنانچہ مسلمانوں سے ہندو جاتی کی بنائے مخاصمت' مسلمانوں کا اپنے دین و ایمان اور اپنے اسلامی تشخص پر اصرار ہے۔ جہاں تک ہندوؤں کا بس چلا' انھوں نے اس تشخص کو ختم کرنے' مٹانے اور کم کرنے کی کوشش کی۔ ۱۹۳۷ سے ۱۹۳۹ تک ہندو اکثریتی صوبوں میں ہندو راج تھا۔ وہاں مسلم دشمن نصاب تاریخ نافذ کیا گیا۔ بندے ماترم جیسے مسلم کش گیت کو بہ جبر قومی گیت بنایا گیا اور گاندھی جی کے بت کے سامنے مسلمان بچوں کو مودب ہو کر ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہونے کا حکم دیا گیا (ص ۷۵)۔ اور دوسری طرف ہندو مسلم فسادات کے ذریعے مسلمانوں کا قتل و غارت اور ان کی معاشی تباہی کا اہتمام' جو آج بھی جاری ہے۔ ان کے نزدیک' اردو زبان بھی مسلمانوں کے تشخص کی علامت تھی (مہاتما گاندھی کا اعتراض تھا کہ اردو ابجد کی شکل قرآنی حروف سے ملتی جلتی ہے)۔ اس لیے اردو کی بیخ کنی بھی ضروری تھی۔ ۱۹۳۷ میں ہندو حکمرانی کے علاقوں میں ڈاک خانے والوں نے اردو میں تحریر کردہ منی آرڈر قبول کرنے سے انکار کرنا شروع کر دیا تھا (ص ۲۴)۔ مسلم اکثریت والے صوبے (پنجاب) کی واحد یونی ورسٹی (پنجاب یونی ورسٹی) پر ہندوؤں کا تسلط تھا' اس لیے ۱۹۴۷ تک اس میں اردو زبان کو اختیاری مضمون نہ بنایا جا سکا (ص ۲۷)۔ اسی ہندو ذہنیت کی مثالیں دیتے ہوئے پروفیسر محمد منور بتاتے ہیں کہ مجھے کل کی طرح یاد ہے کہ سرگودھا شہر کی موہنی مل میں کئی مسلمان مزدور ہندو نام اختیار کر کے اور ہندو پہناوا دھار کر ملازمت کر رہے تھے (ص ۲۷)۔ ہندو سائنس ماسٹر طعنے دے دے کر مسلم طلبہ کو سائنس کی کلاس سے بھگا دیتے تھے کہ جاؤ بیٹا' تم مسلمان ہو' فارسی عربی پڑھو' ساتھ ڈرائنگ لے لینا (ص ۲۹)۔

دنیا میں ایسی متعصبانہ ذہنیت کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اسی کا شاخسانہ ہے کہ بھارت نے پاکستان کے وجود کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ بھارتی قائدین ایک تسلسل کے ساتھ برملا کہتے چلے آئے ہیں کہ بھارت کا وجود گئو ماتا کی طرح پوتر ہے اور چونکہ اس مقدس سرزمین (پوتر وجود) کے ایک حصے پر پاکستان قائم ہے اس لیے اسے مٹانا ناگزیر ہے۔ پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ جب تک ہندو جاتی اہل پاکستان کو شکست دینے اور اپنی بالاتری منوانے سے کامل طور پر مایوس نہیں ہو جاتی' نہ چین لے گی اور نہ چین لینے دے گی (ص ۷)۔

پروفیسر محمد منور کے مضامین کا یہ مجموعہ' بنیادی طور پر انھی دو نکات (پاکستان کا اسلامی تشخص' بھارت کی مسلم دشمن متعصبانہ ذہنیت) کی وضاحت اور ان کی تفہیم و تشریح پر مشتمل ہے۔ چند سال پہلے ان کے' تقریباً اسی نوعیت کے مضامین کا ایک مجموعہ "دیوار برہمن" کے نام سے چھپا تھا۔ پروفیسر موصوف ایک نامور اقبال شناس' ادیب اور شاعر اور تحریر و تقریر پر یکساں قدرت رکھنے والے دانش ور ہیں۔ زیر نظر مضامین'

اسلام کے لیے ان کی دردمندی اور پاکستان کے لیے ان کی محبت، بہ الفاظ اقبال: "درد و سوز آرزو مندی" کے آئینہ دار ہیں۔ انھیں مختلف عنوانات (تحریک پاکستان، ہندو جاتی کی ذہنیت، انگریزی اسلام دشمنی، استحکام پاکستان، حصار اسلام، پاکستانی سیاست دان، جنگ ستمبر اور جنگ دسمبر، روسیات اور قائداعظمؒ: قائد اسلام) کے تحت مرتب کیا گیا ہے--- ایک رواں دواں غیر رسمی اور بے تکلفانہ تقریری اسلوب میں پروفیسر صاحب، قارئین کو موضوع کے ان گوشوں کی جھلک دکھاتے ہیں، جو عام طور پر لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ اپنے مشاہدات و تجربات اور تاریخ و سیاسیات کے وسیع مطالعے کی بنا پر، وہ بجا طور پر بھارت کے ساتھ کسی بھی عہد و پیمان یا دوستی یا تہذیبی تعاون یا تجارت کے مخالف ہیں کیونکہ یہ ایک "جعلی تقرب" ہوگا (ص ۱۵۶)۔ پھر یہ کہ ہنود کے علاوہ ہمیں یہود کی خفیہ اور لطیف چالوں سے بھی ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ پاکستان کو دشمن نمبر ایک سمجھتے ہوئے اسرائیل کے لیے جملہ مسلمان ملکوں میں سب سے پہلے پاکستان کو زک پہنچانا لازم ہے (ص ۱۴۵)۔ کتاب میں ضمناً بہت سے موضوعات پر دلچسپ اور معلومات افزا گفتگو ملتی ہے، مثلاً جہاد افغانستان اور روس، جنرل محمد ضیاء الحق اور کلاش کوف کلچر، بنیاد پرستی، جمہوریت، کشمیر، سقوط مشرقی پاکستان وغیرہ۔

پروفیسر صاحب کے نزدیک، پاکستان، مسلمانوں کے لیے بہ منزلہ ایک مسجد کے ہے، وہ متاسف ہیں کہ ۱۹۷۰ کے دور میں شیخ مجیب اور بھٹو نے، تحریک پاکستان کے اساسی مقاصد کو پس پشت ڈال کر اسلام کی نئی تعبیر کی اور اقتدار میں آ گئے--- منور صاحب کہتے ہیں: حق یہ ہے کہ انھیں ہم خود لائے، ہمارے اعمال لائے، وہ ہمارے کرتوت کی سزا تھے، وہ فطرت کا تازیانہ تھے، قوم کو لقموں کے بجائے سونے چاندی کی بھوک لاحق ہو گئی تھی (ص ۲۰۵)۔ راقم کے نزدیک لمحہ فکریہ تو یہ ہے کہ اب اس بھوک کا کیا حال ہے؟ کیا یہ دوچند، بلکہ سہ چند نہیں ہو گئی ہے؟ بلکہ اس سے بھی سوا:

؎ وہی دیرینہ بیماری، وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ تحریک پاکستان تاحال جاری ہے، ابھی مسجد کی تعمیر مکمل نہیں ہوئی۔ وہ دعاگو ہیں: اے مولا، ہمیں کوئی مردکار عطا کر--- مولا، ہمیں موجودہ پاکستان کے تحفظ اور موعودہ پاکستان کے حصول کی توفیق دے، ہمیں صرف اور صرف اسلام کے دامن سے وابستہ کر دے اور ہمارا مستقبل سچ مچ روشن ہو جائے (ص ۲۰۸، ۲۰۹)۔ (کتاب کے ناشر: گوہر سنز، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ قیمت: ۱۸۰ روپے)۔

داخلہ برائے سال اول

مضامین: پری میڈیکل۔پری انجینئرنگ۔جنرل سائنس۔آرٹس۔آئی کام۔ڈی بی اے

منصورہ ماڈل ڈگری کالج

آغاز داخلہ 25 جولائی

☆ تعلیم کے ساتھ تربیت کا منفرد ماحول
☆ این سی سی کی سہولت
☆ ہاسٹل کی سہولت
☆ کمپیوٹر کلاس
☆ سائنسی مضامین کی تدریس بذریعہ پروجیکٹر
☆ قائدانہ صلاحیتوں کی نشوونما
☆ کشادہ اور شاندار کیمپس
☆ ہفتہ وار ٹیسٹ سسٹم

منفرد سکالرشپ سکیم

میٹرک کے امتحان میں 650 سے زائد نمبر لینے والے طلبہ کے لئے ماہانہ 500 روپے وظیفہ

منصورہ ماڈل ڈگری کالج

(لاہور بورڈ سے الحاق شدہ)

وحدت روڈ، نزد چونگی ملتان روڈ لاہور۔ فون: 5220428-5419324

سید مودودی انسٹی ٹیوٹ

پاکستانی طلبہ کا داخلہ

امتیازی خصوصیات

- قدیم اور جدید علوم کا حسین امتزاج
- کلیۃ الشریعۃ والثقافہ سے B.A. کی ڈگری
- پنجاب یونیورسٹی، اسلامی یونیورسٹی اور الازہر یونیورسٹی سے ادارہ کا الحاق
- عربی سکھانے کے لئے الازہر یونیورسٹی کے اساتذہ کی خدمات
- ذریعہ تعلیم انگریزی اور عربی

شرائط داخلہ
میٹرک اور ایف اے پاس طلبہ

آخری تاریخ -31 جولائی 98ء
داخلہ ٹیسٹ -10 اگست 98ء

داخلہ فیس 1000 روپے
ٹیوشن فیس 400 روپے
کرایہ ہاسٹل 400 روپے
اخراجات طعام 600 روپے

رجسٹرار سید مودودی انسٹی ٹیوٹ وحدت روڈ لاہور فون: 5413517-5416694

اخبار امت

ایران میں اسلامی اتحاد کانفرنس

سید منور حسن

تہران میں گیارہویں "اسلامی اتحاد کانفرنس" ۹ تا ۱۱ جولائی جاری رہی۔ پہلے دو دن کمیٹیوں کے اجلاس ہوئے اور بعد کے دو دن باقاعدہ کانفرنس ہوئی۔ کم و بیش چالیس ملکوں سے مسلمانوں کی تنظیموں' جماعتوں' جہادی تحریکوں' احیائے دین کی تحریکوں اور جبر کے خلاف جدوجہد کرنے والوں کے نمایندوں نے شرکت کی۔ لبنان کی حزب اللہ' فلسطین کی حماس' بوسنیا اور کوسووو کے مجاہدین' البانیہ کے مفتی الحافظ صبری کوتشی' کردوں اور بھارت کی عظیم مسلم اقلیت کی بھی بھرپور نمایندگی تھی۔ مصر' سعودی عرب' اردن' کویت' امریکہ' کناڈا' برطانیہ' نائیجیریا' مقدونیا وغیرہ سے بھی لوگ آئے ہوئے تھے۔ ہر جگہ کے حالات موضوع بحث بنے۔ امریکی ایجنڈے پر عمل کرنے والے مسلمان حکمران' احیائی تحریکوں کی تائید و اعانت اور مسلمان اقلیتوں کے مسائل پر گفتگو ہوئی۔ سیکولرازم کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی بات بھی ہوئی۔

مشترکہ اعلامیہ میں امت کی وحدت و یگانگت' اس کے تمام فرقوں میں یکجائی اور اختلافی مسائل کو حدود اور دائرے میں رکھ کر' مشترکات پر یکسوئی اور جمعیت خاطر کے ساتھ باہمی تعاون کا راستہ اختیار کرنے پر زور دیا گیا۔ اعلامیہ میں بیت المقدس کی بازیابی' پورے علاقے کو صیہونیت زدہ بنانے کی مذمت' فلسطین کی آزادی کی تحریکوں کی حمایت' کشمیر' افغانستان' اریٹیریا' کوسووو کی آزادی' بوسنیا' عراق' سوڈان اور لیبیا پر پابندیاں سمیت تمام مسائل پر اظہار خیال کیا گیا۔

اس طرح کی کانفرنسیں' جذبہ اخوت کو ابھارنے کا سبب بنتی ہیں۔ امت میں جو بیداری پائی جاتی ہے' اسے مہمیز دینے کا کام کرتی ہیں۔ دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی جو لہریں اٹھ رہی ہیں' ان کو مضبوط کرتی ہیں اور امت کو اقامت دین اور شہادت حق کا فریضہ یاد دلاتی ہیں۔ اس کانفرنس نے بھی کسی نہ کسی درجے میں ان مقاصد کی آبیاری کی۔

کانفرنس کے شرکا کو صدر محمد خاتمی' روحانی پیشوا خامنہ ای اور سابق صدر ہاشمی رفسنجانی کو قریب سے دیکھنے اور سننے کا موقع ملا۔ ایرانی صدر جناب محمد خاتمی نے جب وفود سے ایوان صدر میں

خطاب کیا' تو میں ان کے سامنے ہی بیٹھا تھا۔ ان کی تقریر ختم ہوتے ہی میں نے ان سے مصافحہ کیا' اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ آپ نے اپنی تقریر میں امت کے مسائل پر گفتگو کی لیکن آپ کشمیر کا ذکر کرنا شاید بھول گئے جبکہ یہ مسلمانوں کے لیے کلیدی مسئلہ ہے۔ انھوں نے گرمجوشی سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے اعتراف کیا کہ واقعی ان سے بھول ہو گئی ہے--- حقیقت یہ ہے کہ ایران اور بھارت کی دوستی ایران کے لیے ہرگز مفید نہیں ہے۔ بھارت کا اصل دوست اسرائیل اور اس کا سرپرست امریکہ ہیں۔ اسرائیل نے حال ہی میں یہ بیان دیا ہے کہ اس کا دشمن نمبرایک ایران ہے۔ لبنان میں بھی حزب اللہ ایرانی سرپرستی میں یہودیوں سے نبرد آزما ہیں۔ اگر ایران کو ایٹمی ٹکنالوجی تک رسائی درکار ہے تو یہ کام بھی بھارت دوستی سے نہیں ہو سکتا۔ امریکہ اور اسرائیل دونوں ہی آڑے آئیں گے۔ لٰہذا کشمیر جیسے مسئلے پر بھارت کی ناراضی سے بچنا ایرانی خارجہ پالیسی کا حصہ نہیں ہونا چاہیے۔ یقیناً ایران اور پاکستان کے تعلقات برادرانہ اور مثالی ہیں' اور کشمیر کے مسئلے پر بھی ہمیں اس کی تائید حاصل رہی ہے۔ ایران کی حالیہ پیش کش کہ وہ پابندیاں عائد ہو جانے پر ہمیں ادھار پر پٹرول دے گا' خوش آیند ہے۔

ایرانی انقلاب کو اب بیس برس ہونے کو آئے ہیں۔ اسے ناکام بنانے کے جتنے جتن کیے جا سکتے تھے' کیے جا چکے' اب امریکہ بھی تھک ہار کر دوستی کی پینگیں بڑھا رہا ہے اور خود ایرانی قیادت بھی "فٹ بال ڈپلومیسی" پر عمل کر رہی ہے۔ بیس برس کی مدت' بڑی مدت ہے۔ باہر سے اس کے ناکام بنائے جانے کا وقت گزر چکا ہے۔ جب تک باہر سے سازشیں اور کوششیں جاری رہتی ہیں' اندر کی یکانگت اور اتحاد بھی مثالی ہوتا ہے۔ انقلابات' اندرونی کش مکش اور تنازعات سے بھی ضعف کا شکار ہوتے ہیں۔ ایران میں اس کے آثار نظر آنے لگے ہیں۔

کابینہ نے وزیر داخلہ کو اپنے منصب سے ہٹا دیا۔ صدر خاتمی نے انھیں نائب صدر مقرر کر دیا۔ ان پر یہ الزام ہے کہ وہ تہران کے میئر کی کھلے بندوں حمایت کر رہے تھے جبکہ میئر پر کرپشن کے الزام میں مقدمہ چل رہا ہے۔ عدالتی کارروائی مکمل ہو گئی ہے اور فیصلہ محفوظ ہے۔ ان پر یہ الزام ہے کہ انھوں نے صدر خاتمی کو انتخابات میں بڑی مقدار میں فنڈز فراہم کیے۔ ان حالات میں گروہ بندی کا تاثر پیدا ہوتا ہے۔ سابق وزیر داخلہ کو یہ کریڈٹ بھی دیا جا رہا ہے کہ انھوں نے ایجی ٹیشن' مظاہروں اور مخالفانہ رائے کے اظہار پر پابندیاں ایک حد تک ہٹا دی ہیں۔

ایران میں ایک پالیسی کے تحت غیر ملکی انجینیرز' ڈاکٹرز اور دیگر پیشہ ور ماہرین بڑی تعداد میں اپنے ملکوں کو واپس جا چکے ہیں اور ان کی جگہ ایرانیوں نے لے لی ہے۔ تاہم بے روزگاری کا مسئلہ شدید تر ہوتا جا رہا ہے۔

پورے ملک میں صد فی صد خواتین حجاب میں نظر آتی ہیں' غیر ملکی اور غیر مسلم خواتین بھی جو ایران میں داخل ہوتی ہیں' ان کے لیے لازم ہے کہ فوراً سکارف پہنیں' سر کا کوئی بال نظر نہ آئے۔ ٹخنوں تک پیر اور کلائی تک ہاتھ ڈھکے ہوں--- یہ بات خوش آیند ہے کہ خواتین زندگی کے تمام دائروں میں متحرک اور فعال ہیں اور ہر طرح کے فرائض ادا کرتی نظر آتی ہیں۔ ہوٹلوں اور بڑے اجتماعی مراکز میں کام کرنے والی خواتین کا سن رسیدہ ہونا اور خاص طبعی عمر کا ہونا لازمی ہے۔

قم میں دینی تعلیم کے مدرسے' اپنی شان و شوکت' صفائی ستھرائی اور علمی ماحول کی وجہ سے منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ کم و بیش ۵۰/۶۰ ملکوں سے طلبہ تعلیم کی غرض سے آئے ہوئے ہیں' ان کے ذریعے ایرانی انقلاب کے سفیر' وکیل اور موید دنیا بھر میں پھیلتے جا رہے ہیں۔ ولایت فقیہ کا تصور اور فلسفہ' اور امامت رہبری کا ایرانی نقطہ نظر زیادہ پرشکوہ انداز میں' علمی پیرایے میں اور ایک ریاست کی پشت پناہی' تائید اور اعانت کے ساتھ دنیا بھر میں پھیلانے کا موثر نیٹ ورک وجود میں آگیا ہے۔ ایرانی علما کا عربی زبان پر عبور' قرآن پاک کے ساتھ شغف' علمی تبحر' نیز جدید و قدیم پر گرفت اپنے آپ کو منواتا ہے۔

یہ عناصر ترکیبی انقلاب ایران کے تسلسل اور استقلال کا سبب ہیں۔

شام اور لیبیا کی اسلامی کانفرنسیں

عبدالغفار عزیز

ہر سال جون اور جولائی میں مختلف اسلامی ملکوں میں متعدد اسلامی کانفرنسوں کا انعقاد ہوتا ہے۔ ۱۷ ربیع الاول کو ہفتہ وحدت کے نام سے ایران میں ایک عالمی کانفرنس منعقد ہوتی ہے۔ ۱۲ ربیع الاول یا اس سے کچھ پہلے قاہرہ میں اعلیٰ سطحی کانفرنس منعقد ہوتی ہے' جس میں مسلم سکالرز کے علاوہ اکثر مسلم ممالک کے وزراے اوقاف بھی شریک ہوتے ہیں۔ تقریباً انھی تاریخوں میں شام اور مراکش میں بھی ایک اجتماع ہوتا ہے جبکہ مختلف خلیجی ریاستوں میں بھی تقریباً ہر دوسرے تیسرے برس اس طرح کے عالمی سمی نار یا کنونشن ہوتے ہیں۔ سعودیہ کی رابطہ عالم اسلامی' لیبیا کی عالمی جمعیت دعوت اسلامی اور سوڈان کی عوامی اسلامی عالمی کانفرنس نامی تنظیمیں بھی گاہے بگاہے یہ اہتمام کرتی رہتی ہیں۔

ان سب کانفرنسوں اور تنظیموں کا اپنا اپنا طرز اور مخصوص اہداف ہوتے ہیں' لیکن ان سب میں ایک مشترک افادیت یہ ہے کہ اس طرح دنیا بھر کی مختلف شخصیات اور تنظیموں کو باہمی روابط کا

موقع ملتا ہے۔ ایک دوسرے کے حالات سے تفصیل سے براہ راست آگاہی ہوتی ہے۔

راقم الحروف کو جون کے آخری عشرے میں شام اور جولائی کے پہلے عشرے میں لیبیا کی اہم کانفرنسوں میں شرکت کا موقع ملا۔ دونوں مقامات میں کئی باتیں مشترک تھیں۔ دونوں ممالک میں مقامی اسلامی تحریک کے لیے حالات سازگار نہیں ہیں' قیادت کی گرفتاریوں کی خبریں کسی کے لیے نئی نہیں ہیں۔ دونوں ملکوں میں یہ خواہش ابھر رہی ہے کہ عالمی اسلامی تحریکوں کے ساتھ ان کے تعلقات میں بہتری آئے۔ دونوں کانفرنسیں ان ممالک میں صحابہ کرامؓ کی آخری آرام گاہوں سے قریب منعقد ہوئیں۔ شام تو ہزاروں جلیل القدر صحابہ کرام کا مدفن ہے۔ حضرات بلالؓ و ابوہریرہؓ و مقدادؓ' ایک طویل فہرست ہے جن کی قربت کا احساس ہی دل کی دنیا میں تلاطم پیدا کر دیتا ہے۔ لیبیا میں بیضا میں جہاں خوشگوار موسم ہوتا ہے' حضرت رویفع بن ثابت انصاریؓ اور ساتھ دیگر صحابہ کرام کی قبور مبارکہ ہیں۔ ان سے قریب ہی کانفرنس کا وسیع و عریض پنڈال تھا جس میں دنیا بھر سے آئے ہوئے تقریباً دو ہزار مندوبین اور بیس ہزار کے لگ بھگ لیبیا کے عام شہری شریک تھے۔ دونوں ممالک میں جگہ جگہ حافظ الاسد اور کرنل معمر القذافی کے بڑے بڑے پورٹریٹ' ان کے اقوال اور ان سے محبت کے اظہار کے جملے لکھے ہوئے تھے۔ یہ پورٹریٹ اور چاکنگ یقیناً عوام کی طرف سے نہیں تھی۔

شام میں خواتین میں حجاب کا اہتمام غیر معمولی حد تک زیادہ تھا اور عوام میں نسبتاً خوشحالی کی جھلک تھی' اگرچہ سیاسی گھٹن کا احساس بھی بے حد شدید تھا۔ لیبیا میں شہری خواتین میں حجاب کا تناسب زیادہ نہیں تھا۔ حکومت اور سلطنت کے پاس دولت کی ریل پیل کے احساس کے ساتھ ہی ساتھ عوام کو درپیش اقتصادی مشکلات کا تاثر بھی عام تھا۔

لیبیا کانفرنس کا اصل پروگرام یہ تھا کہ صدر قذافی نماز مغرب یا عشا کی امامت کروائیں گے اور پھر اتحاد امت اور حالات حاضرہ پر تقریر کریں گے۔ لیکن ورزش کے دوران ان کی ران کی ہڈی ٹوٹ جانے کے سبب یہ پروگرام نہ ہوا۔ حاضرین نے نیشن آف اسلام کے لوئس فرخان کی پرجوش تقریر سنی جو امریکی حکومت اور نظام پر سخت تنقید سے عبارت تھی۔ اگلے روز ۷ جولائی کو سب حاضرین کو صدر قذافی کی قیام گاہ لے جایا گیا۔ رات تقریباً ساڑھے گیارہ بجے صدر قذافی کے ساتھ اجلاس ہوا۔ مختلف براعظموں سے پانچ افراد کو مختصر نمایندگی کے لیے بلایا گیا۔ ایشیا کی نمایندگی کے لیے چند منٹ مجھے ملے۔ اس میں دعاے شفا ہی ہو سکتی تھی' سوکی اور پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے بعد کی صورت حال اور اس کے تقاضوں' مسئلہ کشمیر اور اتحاد امت کے مسائل کی طرف اشارہ کیا۔ صدر قذافی نے اپنے طویل خطاب میں امت مسلمہ کی شناخت بحال کرنے کی ضرورت پہ زور

دیتے ہوئے عیسوی کیلنڈر کے مقابلے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے شروع کیے جانے والے کیلنڈر کو اپنانے پر تفصیلی بات کی۔ اس دوران دیگر مسائل کا بھی ذکر آتا رہا۔ مقبوضہ فلسطین اور صیہونی استعمار کے خطرات کے متعلق ان کا موقف بہت مضبوط اور بہتر ہے۔ افغانستان کے بحران کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ امریکی اور روسی سازشیں وہاں خانہ جنگی کو طول دے رہی ہیں۔ عالم اسلام کے حکمران استعمار کے مسلط کردہ ہیں۔ یہ حکمران استعمار کے تربیت یافتہ اور اس کے مفادات کے محافظ ہیں۔ رات تقریباً ڈیڑھ بجے یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔

لیبیا کانفرنس میں پاکستان سے تقریباً بیس افراد شریک تھے: نائب امیر جماعت اسلامی جناب چودھری محمد اسلم سلیمی' جنرل حمید گل' مولانا فضل الرحمن' مولانا سمیع الحق' پروفیسر ساجد میر' جے یو' پی کے نیازی' نورانی گروپوں کے نمایندگان اور دیگر کئی شرکا۔ ہم نے پاکستانی وفد کی جانب سے صدر قذافی کو ایک یادداشت پیش کی جس میں مسئلہ کشمیر' ایٹمی دھماکے اور دیگر مسائل پر موقف کا اظہار کیا گیا تھا۔

اس موقع پر دوسرے تحریکی رہنماؤں اور مسلم سکالروں سے ہونے والی ملاقاتیں بھی بہت متنوع تھیں۔ جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے نائب امیر مولانا عباس علی خاں سے لے کر ملایشیا' ترکی' الجزائر' سوڈان اور فرانس' غرض پوری دنیا کے رہنماؤں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ کوسووو سے آنے والے وفد سے بہت مفصل ملاقات ہوئی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ کوسووو کے مسلمانوں پر توڑی جانے والی قیامت بہت سنگین ہے لیکن کوسووو کے باشندے اتنے جفاکش' عسکری اور پختہ عزم کے مالک ہیں کہ انھیں جھکایا نہیں جا سکتا۔

ان کانفرنسوں میں شرکت کے بعد ایک احساس یہ بھی بیدار ہوتا ہے کہ کاش کوئی ادارہ دنیا میں ہونے والی ان تمام کانفرنسوں کو باہم مربوط کر سکتا اور سب علیحدہ علیحدہ صرف اچھے جذبات کا اظہار کرنے کے بجائے مل کر کوئی عملی اقدام ایسے اٹھا لیتے جس سے مسلمانوں کا کوئی مسئلہ حل ہو سکتا' کوئی دکھ کم ہو جاتا' کوئی فکری و دعوتی تربیت ہو جاتی' وحدت امت کا عملاً آغاز ہو جاتا۔

امت مسلمہ کا اتحاد ہی مسلمانوں کی قوت کا اصل راز ہے۔ ہر طرح کے وسائل ہمارے پاس ہیں لیکن ہمارے انتشار نے ہمیں بے وزن کر رکھا ہے۔ ہم دشمن کی سازش کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کانفرنسوں میں ملاقاتوں سے امت کے حقیقی مسائل کا شعور بیدار ہو اور ان کے حل کے لیے کام کرنے کا داعیہ برسرکار آئے' تو ان کی افادیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔

70

عورت جو بدل جائے تو بدل جائے زمانہ

جدید اور مکمل اسلامی تعلیم سے مزین — قومی سطح کا معیاری اقامتی ادارہ

غزالی کالج فار ویمن

(بارہ کہو) اسلام آباد

شہر اسلام آباد اور ملکہ کوہسار مری کے سنگم پر واقع طالبات کا منفرد اقامتی ادارہ

پروگرام داخلہ

کم از کم قابلیت	میٹرک
فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ	۳۰ اگست ۹۸ء
ٹیسٹ / انٹرویو	۵ ستمبر ۹۸ء
باقاعدہ کلاسز کا آغاز	۱۵ ستمبر ۹۸ء

(انشاء اللہ)

زیر سرپرستی

حافظ محمد ادریس

چیئرمین غزالی ایجوکیشن ٹرسٹ

پنجاب

خصوصیات

اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین سٹاف ۔ معیاری ہاسٹل ۔ کمپیوٹر ٹریننگ اور جدید آڈیو ویڈیو لائبریری ۔ ترجمہ و تجوید قرآن پاک ۔ درس قرآن کی صلاحیت کے لیے خصوصی کلاسز ۔ ٹیچرز ٹریننگ ورکشاپس ۔ جدید ووکیشنل تعلیم — اسلامی آداب معاشرت اور امور خانہ داری کا نصاب ۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی میں داخلے کے لیے تیاری ۔ علمی، ادبی اور دینی خدمت کے لیے ہم نصابی سرگرمیاں ۔ جسمانی تربیت اور کھیل کے لیے پردہ دار وسیع گراؤنڈ ۔ مستحق اور ذہین طالبات کے لیے خصوصی رعایت۔

داخلے کے حوالے سے رہنمائی اور دیگر معلومات کے لیے پراسپکٹس ۱۵ اگست ۱۹۹۸ سے دفتر ہذا میں دستیاب ہوگا۔ ڈاک کے ذریعے داخلہ فارم منگوانے کے لیے -/100 روپے کا پوسٹل آرڈر یا بنک ڈرافٹ بنام ڈائریکٹر ارسال کریں۔

ضرورت اسٹاف

انگریزی، اسلامیات، عربی، اردو، ایجوکیشن اور ہوم اکنامکس کی لیکچررز رابطہ کریں۔

برائے رابطہ:

حافظ تنویر احمد

ڈائریکٹر غزالی کالج فار ویمن (بارہ کہو) اسلام آباد

مکان نمبر 104 گلی نمبر 5 راول ٹاؤن اسلام آباد

فون: 051 - 821190

فیکس: 051- 278289

رسائل و مسائل

استخارہ کی شرعی حیثیت

سوال: زندگی میں کئی ایسے مراحل آتے ہیں جو انسان کی قوت فیصلہ پر اثرانداز ہوتے ہیں اور انسانی ذہن میں کش مکش پیدا ہوتی ہے۔ ایسے مواقع پر اسلامی کتابوں میں استخارہ کے لیے ترغیب دلائی گئی ہے۔ آپ سے استخارہ کے بارے میں چند سوالات دریافت کرنا چاہتی ہوں۔ براہِ مہربانی قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دیں:

کیا استخارہ ہر شخص کر سکتا ہے؟ اپنے لیے کسی دوسرے شخص سے استخارہ کروانا درست ہے یا نہیں؟

بعض اوقات انسان کی خواہش کے مطابق ہی خواب نظر آتے ہیں جن پر دل کو اطمینان نہیں ہوتا کہ یہ واقعی خدا کی طرف سے ہے یا میری ہی لاشعوری خواہش ہے، تو اس وقت کیا کیا جائے؟ کیا درست استخارے کی پہچان اطمینان قلب ہے؟

شیطان ہر وقت انسان کے ساتھ لگا رہتا ہے اور کئی خواب شیطان کی طرف سے بھی ہوتے ہیں، کیا شیطان استخارہ کر کے سونے والے کو بھی گمراہ کر سکتا ہے؟ اس سے کیسے بچا جائے؟

جواب: ”استخارہ“ کے معنی ہیں دعائے خیر۔ اور یہی اس کی حقیقت ہے۔ اہل ایمان چھوٹے بڑے کاموں کے کرنے یا نہ کرنے کے سلسلے میں عقل و تجربہ اور مشورے سے کام لینے کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعائے خیر کو بھی وسیلہ بناتے ہیں۔ وہ صرف ظاہری اسباب اور اپنی چاہتوں اور احباب اور عزیز و اقارب اور بزرگوں کے مشوروں پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ استخارے کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے سوال بھی کرتے ہیں کہ جس کام کو ہم کرنا چاہتے ہیں اگر وہ دنیا اور آخرت کے لحاظ سے مفید اور بہتر ہے تو اس کو کرنے کی توفیق عطا فرما اور اگر وہ دنیا اور آخرت کے لحاظ سے برا ہے تو اس سے دوری پیدا فرما دے۔

امام بخاریؒ، صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تمام کاموں میں استخارہ کی تعلیم دیتے تھے جس طرح کہ ہمیں قرآن پاک کی ایک سورۃ کی تعلیم دیتے تھے۔ آپؐ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی کسی کام کا ارادہ کرے تو وہ

دو رکعت نفل پڑھے۔ اس کے بعد یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْاَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ او قَالَ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ اَوْ قَالَ فِیْ عَاجِلِهٖ وَاٰجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ (وَیُسَمِّیْ حَاجَتَهٗ) (کتاب التہجد، باب ماجاء فی التطوع مثنی مثنی، ج اول، ص ۱۵۵-۱۵۶)۔

"اے اللہ! میں تجھ سے خیر مانگتا ہوں کہ تو جانتا ہے اور میں تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں کہ تیرے پاس قدرت ہے اور میں تیرے عظیم فضل کا سوال کرتا ہوں اس لیے کہ آپ قدرت رکھتے ہیں اور میں قدرت نہیں رکھتا۔ آپ جانتے ہیں اور میں نہیں جانتا، آپ غیبوں کو جاننے والے ہیں۔ اے اللہ اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ کام ـــــ (یہاں کام کا نام لے، مثلاً کاروبار، شادی بیاہ وغیرہ) میرے لیے، میرے دین، میری زندگی اور میرے کام کے انجام کے لحاظ سے بہتر ہے یا یوں فرمایا: میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے بہتر ہے، تو اسے میرے لیے مقدر اور آسان فرما دے۔ پھر میرے لیے اس میں برکت عطا فرما اور اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ کام میرے لیے، میرے دین، میری زندگی اور میرے کام کے انجام کے لحاظ سے برا ہے، یا یوں فرمایا: میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے برا ہے تو اسے مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے پھیر دے اور میرے لیے خیر کو مقدر فرما جہاں بھی ہو، پھر مجھے اس پر راضی کر دے" (حضرت جابرؓ نے کہا استخارہ کرنے والا اپنے کام کا نام بھی لے)۔

مسند احمد میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کے لیے یہ بات باعث سعادت ہے کہ وہ اللہ سے استخارہ کرے (یعنی دعائے خیر کرے) اور ابن آدم کی سعادت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر جو اللہ نے اس کے لیے فرمایا ہے راضی ہو۔ اور آدمی کی بدبختی ہے کہ اللہ سے استخارہ کو ترک کرے اور ابن آدم کی بدبختی ہے کہ وہ اس فیصلے پر ناراض ہو جو اللہ نے اس کے لیے کیا ہے (بحوالہ فقہ السنہ، ج ۱، ص ۵۴۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: جس نے اللہ سے استخارہ کیا اور انسانوں سے مشورہ کیا، وہ کبھی ناکام نہ ہو گا (ایضاً فقہ السنہ، ج ۱، ص ۵۴۲)

علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں: حضرت جابرؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کاموں میں استخارہ کرنا چاہیے۔ کسی معاملے کو غیراہم سمجھ کر اس کے لیے استخارے کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک کام کو انسان غیراہم سمجھ کر، کر لے یا چھوڑ دے اور اس کے نتیجے میں اسے عظیم نقصان پہنچ جائے۔ اس

وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے رب سے مانگو حتیٰ کہ جوتے کا تسمہ بھی (ایضاً' فقہ السنہ' ص ۵۴۴)۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ہر ایسا کام جس کے نتیجے کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ اچھا نکلے گا یا برا اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا کرنا بہتر ہے یا چھوڑنا' تو ایسے کام کے لیے استخارہ کرے (چاہے چھوٹا ہو یا بڑا جیسا کہ علامہ شوکانیؒ نے فرمایا۔ (احیاء العلوم' ج ا' ص ۲۰۷)

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: "استخارے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اپنی خواہش سے ذہن کو خالی کرلے اور استخارے کے نتیجے میں دل میں جو انشراح پیدا ہو' اس کے مطابق عمل کرے"۔

خلاصہ بحث (۱) استخارہ اللہ تعالیٰ سے مخصوص انداز میں دعا کرنا ہے۔ یہ دعا اس وقت کی جاتی ہے جب زندگی کے مختلف معاملات یا کاموں میں سے کسی کام کے کرنے نہ کرنے کا فیصلہ کرنا ہو۔ ظاہر بات ہے کہ استخارے کا تعلق فرائض' واجبات اور سنن سے یا حرام اور مکروہات سے نہیں ہوتا کیونکہ ان چیزوں کے کرنے یا نہ کرنے کی رہنمائی تو شریعت نے دے دی ہے۔ لہٰذا فرض نماز کی ادائیگی یا نفلی نمازوں اور روزوں یا ناجائز کاموں' چوری' ڈکیتی' بدکاری' رشوت' سود اور جوئے کے بارے میں استخارہ نہیں ہو گا۔ استخارہ ان کاموں کے بارے میں ہوتا ہے جن کا کرنا یا نہ کرنا جائز ہو اور انسان کی مرضی پر ہو' مثلاً جائز کاروبار' اندرون اور بیرون ملک سفر اور ملازمت یا کسی خاص عورت سے شادی کرنا یا کسی خاص آدمی سے لین دین کا کوئی معاملہ کرنا وغیرہ۔

(۲) استخارے کے لیے دن رات میں کسی بھی وقت دو نفل پڑھ کر دعاے استخارہ کی جاسکتی ہے۔

(۳) استخارے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی مدد مختلف شکلوں میں ہو سکتی ہے' مثلاً اس شکل میں کہ کوئی خواب دیکھا جائے جس کی تعبیر کام کے کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں ہو یا خواب دیکھے بغیر دل کا میلان کام کے کرنے یا چھوڑنے کی طرف ہو جائے۔

(۴) کسی کام کے سلسلے میں غور و فکر' صلاح مشورہ اور اپنے اور دوسرے دوستوں کے تجربوں کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ان تمام صورتوں کو پیش نظر رکھنے کے باوجود کام کے نتیجے کے بارے میں یکسوئی نہ ہو تو پھر استخارہ بھی کرنا چاہیے۔ دوسرے الفاظ میں عالم اسباب کے ساتھ مسبب الاسباب کی طرف بھی رجوع کرنا چاہیے۔ جب انسان اللہ کی طرف رجوع کرے گا' اس سے مانگے گا تو وہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق ادا کرے گا کہ اس سے مانگنا بندگی اور عاجزی ہے جو اسے بہت پسند ہے اور دوسری طرف اپنے کام کو بابرکت بنائے گا۔ استخارے کے بعد اگر کام کو کرے گا تو اس میں بہتری اور برکت اور فائدہ ہو گا اور چھوڑ دے گا تو اس صورت میں بھی فائدہ حاصل ہو گا۔ جو لوگ استخارہ کر کے اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ کوئی

خواب ضرور نظر آئے تو وہ استخارے کی حقیقت کو نہیں پا سکے۔ اسی طرح جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ استخارے میں کوئی خواب دیکھنا ضروری ہے لہٰذا خود استخارہ کرنے کے بجائے کسی خدا رسیدہ انسان سے استخارہ کرواتے ہیں تو وہ بھی غلطی پر ہیں۔ استخارہ خود کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ عبادت ہے اور اس لیے بھی کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے دعاے خیر کی جاتی ہے۔ البتہ دوسروں سے بھی آپ دعا کرا سکتے ہیں۔ انھیں بھی کہہ سکتے ہیں کہ آپ میرے لیے دعا کیجیے کہ اگر یہ کام میرے لیے بہتر ہو تو اللہ تعالیٰ مجھے اس کے کرنے کی توفیق دے دے اور اگر بہتر نہیں ہے تو اس سے مجھے باز رکھے۔ جس طرح آپ دوسروں سے مشورہ لے سکتے ہیں۔ لیکن دعا کا بار بار کرنا جب تک کہ آدمی یکسو نہ ہو جائے' ایک اصولی اور معقول بات ہے۔ اس لیے انشراح صدر تک بار بار استخارہ کرنا چاہیے۔

استخارے کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ مستحب ہے اور مسنون طریقہ اوپر ذکر کر دیا گیا ہے۔ استخارے کے بعد انشراح صدر کے ساتھ جو کام ہو گا وہ بابرکت ہو گا اور اگر بعد میں کچھ مشکلات یا مسائل پیش آ جائیں تو وہ استخارے کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ تقدیر الٰہی ہوتی ہے اور عین ممکن ہے کہ استخارے کی بدولت مسائل اور مشکلات میں کمی آئی ہو۔ نیز استخارے کے بعد خواب میں کچھ اشارے وغیرہ کو کام کے کرنے یا نہ کرنے کی طرف اشارہ سمجھنے میں غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں اصل بات یہ ہے کہ استخارے کے بعد ذہن جس کام کی طرف یکسو ہو اسے کیا جائے اور اس کے بعد بھی دعا کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔

(۵) صلٰوۃ الاستخارہ اور دعاء الاستخارہ بار بار کیا جائے اور اس وقت تک کیا جائے جب تک انشراح قلب نہ ہو یا صرف ایک بار کیا جائے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ استخارہ بار بار کرنا اور انشراح صدر تک کرنا مستحب ہے۔ ابن السنی نے اس سلسلے میں حضرت انسؓ کی ایک مرفوع حدیث بھی ذکر کی ہے کہ اِذَا هَمَمْتَ بِاَمْرٍ فَاسْتَخِرْ فِيْهِ سَبْعَ مَرَّاتٍ ثُمَّ انْظُرْ اِلَى الَّذِىْ يَسْبِقُ اِلٰى قَلْبِكَ فَاِنَّ الْخَيْرَ فِيْهِ(تحفۃ الاحوذی' شرح ترمذی ج ۲' ص ۵۹۳) "آپ جب کسی کام کا ارادہ کریں تو سات مرتبہ استخارہ کریں۔ پھر اس کام کو کریں جس کی طرف دل مائل ہو' اس لیے کہ خیر اسی میں ہے"۔ (مولانا عبدالمالک)

قبول نہ ہونے پر بھی دعا مانگتے رہنا

س: ہم ایک چیز کے لیے برابر دعا کرتے رہتے ہیں مگر وہ چیز ہمیں اللہ نہیں دیتا تو کیا ہم اس کے لیے دعا کرنا ترک کر دیں؟ ہم ایک چیز کے لیے برابر دعا کر رہے ہیں اور اللہ نہیں دینا چاہتا تو پھر بھی وہی دعا کرتے رہنے سے اللہ ناراض تو نہ ہو گا کہ میں تو یہ چیز اس بندے کو دینا نہیں چاہتا اور یہ ڈھیٹ پھر بھی وہی مانگے جا رہا ہے؟

ج: اللہ رحمٰن و رحیم کو انسانوں پر قیاس کرنا درست نہیں۔ انسان کا مزاج اور انداز تو یہ ہے کہ اگر کوئی بار بار اس سے مانگے تو وہ جھنجلا جاتا ہے' اور جھڑکنے لگتا ہے۔ اس کے برخلاف خدا کا حال یہ ہے کہ اگر اس سے نہ مانگا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے۔ اس کو مانگنے اور مانگتے رہنے پر نہیں' نہ مانگنے پر غصہ آتا ہے۔ وہ تو حکم دیتا ہے کہ اپنے رب سے چپکے چپکے اور گڑگڑا کر مانگو' اور اس سے بے پروائی اور بے نیازی نہ دکھاؤ۔ جو اس سے بے نیازی برتتے ہیں اور اس سے مانگنا کسرِشان سمجھتے ہیں' ایسے متکبروں کو اللہ نے جہنم کی وعید سنائی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بندے کی جو بھی مراد ہو وہ برابر اپنی مراد مانگتا رہے اور یہ ہرگز نہ سوچے کہ دو ماہ یا دو سال سے یہ مانگ رہا ہوں اور وہ نہیں دے رہا ہے تو آخر کب تک مانگوں' ٹھیک ہے وہ نہیں دے رہا ہے تو میں بھی نہیں مانگتا۔ خدا کے مقابلے میں آنے کی یہ گستاخانہ روش مومن کے شایانِ شان ہرگز نہیں ہے۔ آپ بے بس بندے ہیں' محتاج و بے نوا ہیں' جو کچھ آپ کے پاس ہے وہ اسی نے دیا ہے' اور آیندہ بھی جو کچھ ملے گا صرف اسی سے ملے گا۔ وہ اگر نہ دے تو کوئی نہیں دے سکتا اور تمھیں تمھارے تصور سے بہت زیادہ دینے کے بعد بھی' اس کے خزانوں میں ذرہ برابر کمی نہیں آتی۔ وہ بے پناہ دینے والا ہے اور وہی دینے والا ہے۔ البتہ یہ بات بھی سامنے رکھیں کہ صرف اسی کو معلوم ہے کہ کون سی چیز آپ کے حق میں بہتر ہے اور کون سی چیز کب آپ کو ملنا چاہیے۔ اپنی حکمت اور علم کی بنیاد پر وہ چیز اس وقت آپ کو دے گا جب وہ آپ کے لیے' اس کو مناسب تصور فرمائے گا۔

تیسری بات یہ نگاہ میں رکھیں کہ آپ کا کام صرف دعا مانگنا ہے۔ یہ کام آپ کا نہیں ہے کہ آپ قبولیت کا جائزہ لیں اور اس پر اپنے رب سے معاملہ کرنے کی جسارت دکھانے کا ناروا عمل کریں۔ آپ کا دائرہ کار صرف یہ ہے کہ ایک محتاج اور ضرورت مند بندے کی طرح عاجزی کے ساتھ مانگتے رہیں۔ قبول کرنا نہ کرنا' اسی کا کام ہے اور یہ صرف اسی کے دائرہ اختیار میں ہے۔ اس دائرے میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ وہ مختار مطلق ہے۔ اس پر کسی کا زور نہیں چلتا وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے' فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ۔ کسی کو اس سے پوچھنے کا حق نہیں ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے' لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ۔ وہ خود ہی چاہے قبول کرے اور جب چاہے قبول کرے' آپ کا کام اپنی التجا اس کے سامنے رکھنا ہے اور انکساری اور احتیاج کے ساتھ برابر رکھنا ہے اور بس! آپ کے لیے اس کے دروازے کے سوا اور کوئی دروازہ نہیں ہے کہ آپ چند دن دعا کریں اور پوری نہ ہو تو روٹھ کر کسی دوسرے دروازے پر پہنچ جائیں۔ بندوں سے مانگنے والا فقیر تو یہ عمل کر سکتا ہے کہ اس کے لیے تو بے شمار دروازے ہیں' لیکن اپنے رب سے مانگنے والا یہ عمل نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ اس کے لیے تو ایک اور صرف ایک ہی دروازہ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "بندے کی دعا قبول کی جاتی ہے جب کہ وہ جلد بازی نہ کرے۔ وہ کہنے لگتا ہے' اس نے دعا کی مگر قبول نہیں ہوئی"۔ آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے آپ کی دعا قبول نہیں کی۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندے کی دعا تو قبول کرتا ہے لیکن اس کو اس کی مطلوبہ نعمت کے بجائے کوئی دوسری نعمت عطا کر دیتا ہے۔ یہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کے حق میں کیا چیز بہتر ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بندہ اپنے رب سے دعا کرتا رہتا ہے' اور اللہ اس کی دعا قبول بھی کر لیتا ہے' لیکن وہ اپنی حکمت اور رحمت سے دنیا میں اس کو عطا کرنے کے بجائے آخرت میں اپنے بندے کو نوازنے کے لیے محفوظ کر لیتا ہے۔ بندہ جب وہاں پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ وہاں اسے نعمتوں سے نوازتے ہوئے یاد دلائے گا کہ یہ تیری فلاں دعا کی قبولیت کا ثمرہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جب کوئی بندۂ مومن اللہ سے مانگنے کے لیے اللہ کی طرف منہ اٹھاتا ہے تو وہ اس کی مراد پوری کر دیتا ہے۔ یا تو اس کی وہ مراد دنیا ہی میں پوری ہو جاتی ہے' یا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کر کے آخرت کے لیے محفوظ کر لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اپنے ایک بندۂ مومن کو اپنے حضور طلب کرے گا۔ اور اس کو اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھے گا: اے میرے بندے! میں نے تجھے دعا کا حکم دیا تھا اور یہ وعدہ کیا تھا کہ میں تیری دعا قبول کروں گا' تو کیا تو نے دعا مانگی تھی؟ وہ کہے گا: پروردگار مانگی تھی۔ پھر اللہ فرمائے گا: تو نے مجھ سے جو دعا مانگی تھی' وہ میں نے تیرے حق میں قبول کر لی تھی۔ کیا تو نے فلاں دن یہ دعا نہیں کی تھی کہ میں تیرا وہ رنج و غم دور کر دوں جس میں تو مبتلا تھا' اور میں نے تجھے اس رنج و غم سے نجات بخش دی تھی۔ بندہ کہے گا: پروردگار بالکل سچ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا: تیری وہ دعا تو میں نے قبول کر کے دنیا ہی میں تیری مراد پوری کر دی تھی' اور فلاں روز پھر تو نے دوسرے غم میں مبتلا ہونے پر اس سے نجات کے لیے دعا کی مگر تو نے اس رنج و غم سے نجات نہیں پائی اور بدستور اس میں مبتلا رہا۔ بندہ کہے گا: اے اللہ! بے شک ایسا ہی تھا۔ جواب میں اللہ فرمائے گا: میں نے تیری اس دعا کے عوض تیرے لیے جنت میں گوناگوں نعمتیں جمع کر رکھی ہیں۔ اور اسی طرح دوسری حاجتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ دریافت کر کے یہی فرمائے گا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندۂ مومن کی کوئی دعا ایسی نہیں ہو گی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ بیان نہ فرما دے کہ میں نے یہ دعا تیرے لیے دنیا میں قبول کی اور یہ دعا آخرت کے لیے ذخیرہ کر کے رکھی ہے۔ اس وقت بندۂ مومن سوچے گا' کاش! میری کوئی دعا بھی دنیا میں قبول نہ ہوتی۔ بندے کو چاہیے کہ برابر دعا مانگتا رہے اور کبھی دعا مانگنا بند نہ کرے (حاکم)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان وضاحتوں کی روشنی میں بندۂ مومن کا شعار یہی ہونا چاہیے کہ وہ اپنے رب سے برابر مانگتا رہے' اور جو بھی اس کی جائز مراد ہو' وہ مانگتا رہے' اکتائے نہیں۔ اللہ اپنی حکمت اور

اپنے بندے کی خیر خواہی کے تحت' جو اسے یہاں دینا چاہے گا' یہاں دے دے گا اور جو اس کے لیے آخرت کے لیے جمع رکھنا چاہے گا وہاں عطا کرے گا۔ حضرت عمرؓ نے کیا ہی ایمان افروز بات کہی ہے: "مجھے دعا قبول ہونے کی فکر نہیں ہے۔ مجھے صرف دعا مانگنے کی فکر ہے۔ جب مجھے دعا مانگنے کی توفیق ہو گئی تو قبولیت بھی حاصل ہو ہی جائے گی"۔

اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کو کسی نیک عمل کی توفیق عطا فرماتا ہے اور بندہ اخلاص کے ساتھ وہ عمل انجام دیتا ہے تو اللہ سے یہی امید رکھنی چاہیے کہ اللہ نے بندے کا وہ عمل قبول کرلیا ہے۔ اس لیے کہ عمل کی توفیق دینا' ایک اشارہ ہے اس بشارت کی طرف کہ اللہ کی نظر عنایت اس بندے کی طرف ہے اور اس کے نیک عمل کو' وہ قبول کرنا چاہتا ہے۔ بندے کا کام اور اس کا دائرہ فکر صرف یہ ہونا چاہیے کہ وہ کامل شعور اور اخلاص نیت کے ساتھ' شریعت کی ہدایت کے تحت' نیک عمل انجام دیتا رہے اور اللہ سے اچھی امید رکھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: دعا مانگو اور اللہ سے قبولیت کی امید رکھتے ہوئے مانگو۔ ایسے دل کی دعا اللہ قبول نہیں کرتا' جو لاپروا اور غافل ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: سب سے زیادہ عاجز وہ بندہ ہے جو دعا سے عاجز ہے۔ (محمد یوسف اصلاحی)

ایک بار زحمت کیجئے' سال بھر آرام کیجئے

ماہنامہ پیغام ڈائجسٹ

ہر ماہ گھر بیٹھے حاصل کرنے کے لیے صرف ایک بار زحمت اٹھائیں اور بھرپور سال اپنا پسندیدہ رسالہ باقاعدگی سے حاصل کیجئے۔

پیغام ڈائجسٹ کے 12 شماروں کی خاص نمبروں سمیت قیمت -/147 روپے بنتی ہے لیکن خصوصی بچت سکیم کے تحت آپ کو صرف -/120 روپے ادا کرنے ہوں گے۔ یوں آپ ایک وقت دو فائدے حاصل کر سکتے ہیں۔

- 27 روپے کی خصوصی بچت
- گھر بیٹھے ہر ماہ باقاعدگی سے رسالے کی ترسیل

اپنے مکمل نام اور پتے کے ساتھ -/120 روپے ذیل کے پتے پر ارسال کریں۔

پتہ: 5- اے ذیلدار پارک' اچھرہ' لاہور فون :- 7585590-7587916

منشورات کی تازہ ترین پیش کش

پاکستان میں

تعلیم کے زندہ مسائل

تعلیم کے اہم مسائل کی ٹھیک ٹھیک نشان دہی ۔ مسائل کے حل کی عملی تجاویز

تحریر : پروفیسر مسلم سجاد

صفحات 380 قیمت (مجلد) -/160 (پیپربیک) -/110

شاہراہ عافیت

تاریخی نصیحتوں اور وصیت ناموں پر مشتمل دنیا اور آخرت میں عافیت کے لیے رہنما تحریریں

مرتب : محمد بشیر جمعہ

صفحات 104 قیمت : -/40

اگست میں تحفہ دینے اور تقسیم کرنے کے لیے ہمارے بہترین کتابچے

1-	آزادی کا صحیح مفہوم	مولانا ابوالاعلیٰ مودودی	-/50 فی سیکڑہ
2	پاکستان کہاں کھڑا ہے ؟	خرم مراد	-/100 "
3-	پاکستان آزادی کے پچاسویں سال میں	خرم مراد	-/125 "
4-	ہم کیسا پاکستان بنائیں گے ؟	قاضی حسین احمد	-/400 "
5-	آزادی کی پکار	رئیسہ عزیز	-/100 "

1- منشورات : منصورہ 'ملتان روڈ' لاہور' 54570- فیکس : 042-7832194

2- ڈیسنٹ بک پوائنٹ : اے 57 'بلاک 5' گلشن اقبال 'نزد مدنی مسجد 'کراچی ۔ فون : 4967661

3- بک ٹریڈرز : بلاک 19 ' نصر چیمبرز' مرکز 7-ایف' اسلام آباد ۔ فون : 823094

کتاب نما

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک، بلوچستان میں ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ ناشر: سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) ۲۷-۲-اے، او بلاک ۳، شیٹلائٹ ٹاؤن، کوئٹہ۔ صفحات: ۳۶۰۔ قیمت: ۳۰۰ روپے۔

ڈاکٹر انعام الحق طویل عرصے تک درس و تدریس سے وابستہ رہے ہیں۔ اب زیادہ تر ان کی توجہ تحقیق و تصنیف کی طرف ہے۔ بلوچستان کے بارے میں ان کی بیس سے زائد تصانیف منظر عام پر آ چکی ہیں۔ زیر نظر کتاب میں بلوچستان کے براہوی، بلوچی، پشتو اور اردو نعت گو شعرا کا تفصیلی تذکرہ اور تعارف، تصانیف اور ان کے اہم اشعار کا انتخاب شامل ہے۔ کتاب میں دینی مدارس کا ذکر بھی ملتا ہے۔

پیش لفظ میں قرآن و حدیث کی چند تعلیمات کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ بعد ازاں سرزمین بلوچستان کے حوالے سے بعض تاریخی معلومات اور شعرا کا فارسی کلام شامل ہے۔ اگر براہوی اور بلوچی کے اشعار بھی آ جاتے تو بہتر تھا۔ پانچویں باب میں اردو میں نعت کے مجموعوں مثلاً "مثنوی صحیفہ فطرت" یا "فخر کونین" کا تعارف ہے۔ اس کے بعد پچاس ساٹھ شاعروں کے نعتیہ کلام کا انتخاب ہے، مگر نہ تو شاعر کا تعارف ہے، نہ اس کا دور، نہ محاسن و معائب کلام۔ ص ۳۲۷ سے ۳۳۶ تک مصنف موصوف کی اپنی سوانح عمری اور نمایاں تصنیفات کا تذکرہ ہے۔ یہ کتاب تاریخ، تحقیق، تنقید اور انتخاب شاعری کا مجموعہ ہے۔ اگر تمام تر توجہ تاریخی پہلو یا پھر ادبی پہلو پر مرکوز رہتی تو کتاب زیادہ وقیع محسوس ہوتی۔ کہیں کہیں کتابت کی ناہمواری کھٹکتی ہے۔ سیرت اور بلوچستان کے حوالے سے بہرحال یہ ایک معلومات افزا کتاب ہے۔ (محمد ایوب منیر)

National Security and Development Strategy [قومی سلامتی اور ترقیاتی حکمت عملی]، ارشد زماں۔ ناشر: انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ، اسلام آباد۔ صفحات: ۹۴۔ قیمت: درج نہیں۔

مصنف ملک و قوم کا درد رکھنے والے ایک بیورو کریٹ ہیں۔ کتاب میں دفاع پاکستان کے مختلف پہلوؤں خصوصاً معاشی پہلو سے بحث کی گئی ہے۔ ان مباحث کی بنیاد مصنف کے وہ لیکچر ہیں جو انھوں نے ۱۹۸۸ میں نیشنل ڈیفنس کالج میں دیے۔

کتاب کے تعارف میں مصنف یہ شکایت کرتے ہیں کہ پاکستان کے منصوبہ سازوں پر غیر ملکی اثرات غالب ہیں اور یہ کہ انھیں اپنے معاشرے، روایات اور مخصوص مسائل سے مناسب آگاہی حاصل نہیں۔ یہ بات کافی حد تک درست ہے۔ جناب ارشد زماں نے وطن عزیز کے مخصوص دفاعی مسائل کی وضاحت کی ہے۔ نیشنل ڈیفنس کالج کے شرکا کے لیے یہ بہت اچھا مواد ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مصنف بہت سی اصطلاحوں (مثلاً Power - National Security اور Development Strategy) کی وضاحت کے لیے سارے حوالے اور ساری مثالیں مغربی مصنفین سے لیے ہیں۔ یہاں تک کہ مسلمان ثقافت اور پس منظر کی وضاحت بھی مستشرقین خصوصاً Marshal Hodgson کے حوالے سے کی ہے۔ جناب مصنف یہ بتاتے ہیں کہ ہمارے ہاں پنج سالہ منصوبے بناتے وقت آئینی اور قانونی طور پر کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے (جو عملاً نہیں رکھا جاتا)۔ مختلف وزارتوں کے درمیان بعض امور و معاملات پر کش مکش ہوتی ہے۔ ایک انکشاف یہ ہے کہ ہمارے منصوبہ سازوں کے سامنے سب سے بڑا مقصد زیادہ سے زیادہ غیر ملکی امداد کا حصول ہوتا ہے، لہٰذا وہ جان بوجھ کر مقامی وسائل اور متوقع اخراجات میں خسارہ ظاہر کرتے ہیں۔ مصنف ترقیاتی حکمت عملی کے لیے اپنی تجاویز پیش کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں ایک طبقہ انگریزی تعلیم یافتہ ہے اور دوسرا انگریزی تعلیم سے محروم۔ ان کے درمیان اختلافات ہیں، لیکن ہم دستوری اسلام (Constitutional Islam) کی اتھارٹی پر اتفاق کر سکتے ہیں۔ (پھر وہ دستور کی اسلامی دفعات گنواتے ہیں اور اردو کے نفاذ پر زور دیتے ہیں)۔ یوں ہم اندرونی انتشار کا علاج کر سکتے ہیں۔ مصنف نے آگے چل کر بیرونی خطرات کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا ہے۔ انھوں نے غیر ملکی ثقافتی یلغار کے خلاف تحفظ کی ضرورت پر زور دیا ہے اور اس ضمن میں ذرائع ابلاغ اور تعلیمی اداروں کو ذمہ دارانہ رویہ اپنانے کا مشورہ دیا ہے۔ آخر میں امریکی "سرپرستی" سے نجات کے لیے دفاعی خود انحصاری کا نسخہ تجویز کیا ہے۔ کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ شامل ہے جو سوویت وسطی ایشیا میں مسلمانوں کو نسلی بنیادوں پر تقسیم کرنے کے روسی منصوبوں کی مختصر تاریخ پر مشتمل ہے۔ (ڈاکٹر بلال مسعود)

الاحکام السیاسیة للاقلیات المسلمة فی الفقه الاسلامی، سلیمان محمد توبالک۔

ناشر: دارالنفائس، ص ب ۲۱۵۱۱، عمان، اردن۔ صفحات: ۱۹۳۔ قیمت: درج نہیں۔

خلافت اسلامیہ کے زوال اور مغربی سامراج کے تسلط کا ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ خدا کی زمین اپنی وسعت کے باوجود خلق خدا کے لیے تنگ ہو گئی۔ کہاں وہ زمانہ تھا کہ رنگون سے طنجہ تک ہزاروں میل کا سفر بلا روک ٹوک کیا جاتا تھا، نہ پاسپورٹ کی ضرورت تھی، نہ ویزا کی۔ کہاں یہ دور کہ سرحدوں کی

بندر بانٹ نے آمدورفت کو جگہ جگہ پابند کر دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں جو نت نئے مسائل ابھر کر سامنے آئے ہیں، ان میں سے ایک اہم، اقلیت و اکثریت کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلے سے سب سے زیادہ متاثر ہونے والی قوم مسلمان ہے۔ یہ جن جن ممالک میں یہود و نصاریٰ و دیگر غیر مسلم اقوام کے ساتھ رہتے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے اقلیت میں تبدیل ہو گئے، اور اکثریت کے ظلم و تشدد اور نسلی تفرقے کا شکار ہو گئے۔

اسلام زندگی کے جملہ مسائل میں رہنمائی کرتا ہے اور ہر مسئلے کا حل اس میں موجود ہے۔ عرصے سے اسلام کی روشنی میں اقلیت و اکثریت سے متعلق مسائل پر ایک جامع کتاب کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ یوگوسلاویہ کے طالب علم سلیمان محمد توبلیاک نے اردن کے ممتاز عالم، ڈاکٹر محمد عثمان شبیر کے زیر سرپرستی اس اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ اس طرح ایک اچھی کتاب منظرعام پر آئی ہے۔

کتاب میں جن مسائل سے بحث کی گئی ہے، ان میں سے چند ایک یہ ہیں: دارالاسلام اور دارالحرب کی اصطلاح، ان کا شرعی مفہوم (کیا دارالاسلام دارالحرب میں تبدیل ہو سکتا ہے؟ یا پھر دارالاسلام ہمیشہ دارالاسلام ہی رہے گا، اور اس پر ہمیشہ ایک ہی قسم کے مسائل لاگو ہوں گے؟) اقلیت کی اصطلاح، مسلم اقلیت کی خصوصیات اور مختلف ممالک میں درپیش ان کے مسائل و مشکلات اور مختلف براعظموں میں ان کی تعداد، غیر اسلامی ممالک میں مسلمانوں کا قیام اور سیاسی پناہ کا حصول، دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کے مسائل، غیر اسلامی ممالک کی قومیت اختیار کرنا، مفادات عامہ سے متعلق ملازمتیں، غیر مسلم فوج میں شرکت، وہاں سیاسی جماعتیں قائم کرنا، ان کے قانون ساز اداروں میں شامل ہونا نیز مسلم اقلیتوں کی اسلامی حکومتوں کے تئیں کیا ذمہ داریاں ہیں؟ وغیرہ۔

آخر میں کتاب کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ مآخذ میں چھوٹی بڑی ۱۹۷ کتابوں اور مقالات کے نام درج ہیں مگر تعجب ہے کہ اس میں امام محمد بن عبدالوہاب کے پوتے، سلیمان بن عبداللہ اور علماے نجد حمد بن عتیق وغیرہم کی تصانیف کے حوالے نہیں ملتے۔ حالانکہ غیر مسلمین سے تعلقات، امام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کا ایک اہم جز ہے۔ افسوس کہ آپ کے نام لیواؤں نے تحریک کے اس پہلو کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ کتاب اس قابل ہے کہ اردو دنیا اس سے مستفید ہو۔ (عبدالمتین منیری)

مجلہ **القلم** -۳، مدیر: ڈاکٹر جمیلہ شوکت، نائب مدیر: ڈاکٹر محمود اختر۔ ناشر: ادارہ علوم اسلامیہ، نیو کیمپس، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور۔ صفحات: ۳۰۵۔ قیمت: درج نہیں۔

یونی ورسٹیوں کی تعلیمی و تحقیقی سرگرمیوں اور کسی یونی ورسٹی کے مقام و مرتبے کے تعین میں، اس کے معیاری علمی مجلات (Journals) کو بڑا دخل ہے۔ پنجاب یونی ورسٹی لاہور کا شعبہ، علوم اسلامیہ،

پاکستان کی یونی ورسٹیوں میں اسلامی علوم کا سب سے قدیم شعبہ ہے۔ مجلہ "القلم" اسی شعبے کا تحقیقی مجلہ ہے جو بہ یک وقت تین زبانوں (اردو، عربی، انگریزی) میں شائع ہوتا ہے۔ اس کے مضامین اہم موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔

زیر نظر شمارے کے نو اردو مضامین میں سے تین مضامین بڑے جان دار ہیں۔ تزکیہ نفس کا نبوی منہاج از شبیر احمد منصوری، مسلمانوں کی سائنسی خدمات، مستشرقین کا انداز فکر از ڈاکٹر محمود اختر، رافت و رحمت کا ظہور کامل از پروفیسر عبدالجبار شیخ۔ انسانی اعضا کی پیوند کاری جیسے اہم موضوع پر خالد نذیر کا مضمون بھی عمدہ ہے، تاہم اسے اور زیادہ بہتر بنایا جا سکتا تھا۔ ایسے موضوعات گہرے مراقبے اور علمی ریاضت کے متقاضی ہوتے ہیں۔ حصہ عربی چار مضامین پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر حمیداللہ عبدالقادر کے معلومات افزا مضمون کے علاوہ اس حصے میں ایک نادر اور قیمتی مخطوطے کا عکس بھی شامل ہے۔ یہ امام جلال الدین سیوطیؒ کی تالیف، المنہاج النبوی فی ترجمۃ الامام النووی ہے۔ متن کی تصحیح و تہذیب، ترتیب و تدوین، مفصل حواشی، پیراگرافنگ اور ضمنی سرخیوں کے اہتمام نے اس مخطوطے کو تدوین (editing) کا ایک عمدہ نمونہ بنا دیا ہے۔ اس علمی کارنامے پر علوم اسلامیہ کی فاضل اور شعبے کی صدر محترمہ ڈاکٹر جمیلہ شوکت مبارک باد کی مستحق ہیں۔ اس کام میں پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی صاحب نے بھی ان کی معاونت کی۔ انگریزی حصے میں ڈاکٹر خالد علوی نے "اسلامی دعوۃ کے مطالب و اہمیت" پر ایک جان دار مقالہ قرآن اور حدیث کے بنیادی ماخذ سے رہنمائی لے کر لکھا ہے۔

انگریزی اور عربی حصہ زیادہ باوزن اور معیاری ہے۔ لمحہ فکریہ ہے کہ قومی زبان میں اعلیٰ درجے کی چیزیں کیوں نہیں لکھی جا رہی ہیں؟ مجلے کا مجموعی معیار اچھا ہے۔ تاہم اردو حصے کے حواشی اور حوالوں میں یکسانیت کی ضرورت ہے۔ عربی اور انگریزی حصوں میں حوالہ جات درست انداز میں دیے گئے ہیں۔ امید ہے ادارہ علوم اسلامیہ کی اس علمی کاوش کو علمی حلقوں میں بہ نظر استحسان دیکھا جائے گا۔

(سلیم منصور خالد)

جنات اور جادو، حقیقت اور علاج، ہدایت اللہ سلمانی۔ ناشر: ادارہ مطبوعات سلیمانی، اردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۱۹۲۔ قیمت: ۹۰ روپے۔

جنات کیا ہیں؟ انسانی افعال و اعمال پر وہ کہاں تک اثر انداز ہو سکتے ہیں؟ جادو کی اقسام، ان کا دائرہ اثر اور ان کا تدارک اور علاج، ایسے موضوعات پر نہ تو زیادہ تحقیق کی گئی ہے اور نہ زیادہ کتب ملتی ہیں البتہ روایات اور کہانیاں بہت ہیں۔ عام لوگ توہمات کا شکار ہو کر نام نہاد عاملوں کے ہاتھوں لٹتے ہیں اور

عقائد و اعمال خراب کر کے اپنی عاقبت بھی بگاڑ لیتے ہیں۔

مصنف سے ان کے عقیدت مندوں کا ایک وسیع حلقہ فیض یاب ہوا۔ وہ جنات وغیرہ کے لیے صورت حالات کے مطابق تعویذ بھی دیتے ہیں، مگر عقائد کی درستی اور نیک اعمال کی تلقین کے ساتھ۔ انھیں یقین کامل ہے کہ "غلط عقائد و اعمال کے اندھیروں میں کتاب و سنت کے صحیح اعمال کے نور سے، اللہ کریم لوگوں کی ہر زمانے میں رہنمائی کرتے ہیں"۔

کتاب دلچسپ ہے۔ جنوں اور عاملین کی جنگیں، جنوں کے کارنامے، پاپوش کفر شکن، قبر سے گزرنے والے کو طمانچہ اور اینٹوں کی بارش وغیرہ، مصنف نے درجنوں واقعات کا تحقیقی انداز میں تجزیہ کر کے کتاب و سنت کی روشنی میں اصل صورت قارئین کے سامنے پیش کی ہے۔ مزید برآں نام نہاد عاملین کے "کاروبار" جہالت اور عقائد کے بگاڑ وغیرہ پر قرآن و احادیث کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ جادو کے بیان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہودی کے جادو کا مفصل ذکر، مدنی یہودی جادوگر، ہاروت و ماروت، حلول، کالا علم، نوری علم اور علامہ اقبالؒ کی محفل میں ایک روح کے بلائے جانے کا دلچسپ واقعہ وغیرہ۔

کم علمی، ذہنی پس ماندگی اور جہالت، توہمات کو جنم دیتی ہے اور اس کے گمراہ کن اثرات معاشرے میں سرایت کر جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ کتاب اصلاح معاشرہ کے لیے بھی مفید ہے۔ کتاب کی طباعت اور ظاہری سراپا عمدہ ہے۔ (عبداللہ شاہ ہاشمی)

پاکستان میں بائبل بطور نصاب تعلیم و تدریس، محمد اسلم رانا۔ ناشر: مکتبہ مرکز تحقیق عیسائیت، ملک پارک، شاہدرہ، لاہور۔ صفحات: ۸۰۔ قیمت: ۲۵ روپے۔

پاکستان میں اقلیتوں کو عام مسلمہ شہری حقوق حاصل ہیں۔ ۱۹۸۱ کی مردم شماری کے مطابق پاکستان میں مسیحیوں کی تعداد ۱۳، ۱۰، ۴۳۶ ہے۔ مصنف نے انکشاف کیا ہے کہ قومی اسمبلی کے اقلیتی ممبروں کو "حج کوٹہ" بھی ملتا ہے یعنی بعض عیسائی حضرات سرکاری خرچ پر کرسمس منانے روم جاتے ہیں۔ ایک سال، ایسٹر کے تہوار پر دس عیسائیوں کو ۴ لاکھ ۲۷ ہزار روپے خرچ کر کے روم بھیجا گیا (ص ۲)۔

مصنف کو شکوہ ہے کہ مسیحیوں کے بہت سے مطالبات نامناسب اور جارحانہ ہیں، جیسے= قانون توہین رسالتؐ کی تنسیخ کا مطالبہ وغیرہ۔ اب وہ کہتے ہیں کہ سکولوں میں مسیحی طلبا کے لیے "اسلامیات لازمی" کے متبادل کے طور پر، بائبل کو نصاب میں شامل کیا جائے اور ہر اسکول میں ایک مسیحی استاد مقرر کیا جائے۔ اس سلسلے میں انھوں نے لاہور کی عدالت عالیہ میں ایک درخواست (رٹ) گزاری ہے۔ قواعد کی

رو سے غیر مسلم طلبہ کو "اسلامیات لازمی" کے بجائے اخلاقیات اور سوکس کا پرچہ لینے کی اجازت ہے مگر درخواست گزار کے مطابق مسیحی طلبہ کے لیے یہ مضمون غیر دلچسپ ہے۔ محمد اسلم رانا کہتے ہیں: "بائبل کو بطور درسی کتاب پڑھانے کا اہتمام تو انگریزی دور میں بھی نہیں کیا گیا تھا" (ص ۲۹)۔ ان کا خیال ہے کہ سب سکولوں میں تو دور کی بات ہے، عیسائی سکولوں میں بھی اس کی تعلیم دینا انتہائی غیر مناسب ہے، کیونکہ اس کے نتیجے میں عیسائی بچوں کے اخلاق و کردار پر اثرات بد مرتب ہونے کا شدید خطرہ ہے (ص ۴۳)۔ اس کی تائید میں رانا صاحب نے قوی دلائل دیے ہیں۔

کتاب کے آخر میں بعض معروف علما اور دانش وروں کی تائیدی تقریظات اور فتاویٰ شامل ہیں جن میں ایک سوال یہ اٹھایا گیا ہے کہ کیا عیسائی ممالک کی مسلمان اقلیتوں کو سرکاری سطح پر اسلامی تعلیمات کی تدریس کی سہولت حاصل ہے؟ (ر۔ہ)

مطبوعات موصولہ

☆ **فضل احمد کریم فضلی، شخصیت و فن**، سید جاوید اقبال۔ ناشر: قصر الادب، فلیٹ اے/۴، جامع کلاتھ مارکیٹ، لطیف آباد، حیدر آباد سندھ۔ صفحات: ۱۴۴۔ قیمت: ۶۰ روپے۔ [جامعہ سندھ سے ایم اے اردو کا ایک مقالہ۔ فضلی مرحوم اسلام پسند ادیب، وطن دوست بیورو کریٹ، بلند پایہ شاعر اور نامور ناول نگار تھے۔ ان کا "خون جگر ہونے تک" اردو میں چوٹی کا ناول ہے اور کیا خوب ہے، قابل مطالعہ ہے]۔

☆ **خود نوشت حیات سرسید**، مرتبہ: ضیاء الدین لاہوری۔ ناشر: فضلی سنز، اردو بازار، کراچی۔ صفحات: ۳۷۲۔ قیمت: ۲۵۰ روپے۔ [سرسید کی تصانیف، تحریروں اور تقریروں کے اقتباسات سے بڑی محنت و کاوش کے ساتھ مرتبہ خود نوشت۔ یہ طبع دوم ہے، اول پر تبصرہ: ترجمان القرآن، مئی ۱۹۹۴]۔

☆ **کلیات محمد حسن براہوی**، مرتبہ: ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ ناشر: سیرت اکادمی، ۲-۲۷-اے، او، بلاک ۳، سٹیلائٹ ٹاؤن، کوئٹہ۔ صفحات: ۹۰۔ قیمت: ۱۲۰ روپے۔ [ملا محمد حسن (وفات ۵۶-۱۸۵۵) بلوچستان کی ایک علم دوست اور ممتاز شخصیت تھی۔ اردو، براہوی، بلوچی اور فارسی کے شاعر بھی تھے۔ مرتب موصوف نے ۱۹۷۶ میں ملا صاحب کا اردو کلام، محنت سے مرتب کر کے شائع کیا۔ یہ دوسرا ایڈیشن ہے]۔

☆ **نورانی قاعدہ**، مولوی نور محمد مع ضروری قواعد تجوید و قرات از تسہیل القواعد، مولانا قاری فتح محمد پانی پتی۔ ناشر: جامعہ عربیہ عمر فاروق، توحید نگر، فاروق اعظم روڈ، فاروقہ، ضلع سرگودھا۔ صفحات: ۲۴۔ قیمت: ۳ روپے۔ [بچوں کے لیے ایک ابتدائی مفید قاعدہ]۔

مدیر کے نام

مریم بشریٰ، گوجرانوالہ

"اشارات" (ایٹمی صلاحیت، جولائی ۹۸) نے ایٹمی مسئلے پر پیدا شدہ عالمی رویوں کو سمجھنے میں خوب مدد دی۔ سیاسی اختلاف اپنی جگہ، لیکن ایٹمی پروگرام شروع کرنے والے وزیراعظم بھٹو مرحوم اور ایٹمی دھماکے کی اجازت دینے والے وزیراعظم نواز شریف کا نام درج کرنے کے بجائے، محض ان کے عمل کا حوالہ دینا کچھ غیر متوازن لگتا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی حفاظت کے لیے پاکستان کی دوسری قوتوں کے ساتھ سب سے زیادہ موثر کردار جماعت اسلامی نے ادا کیا۔ کئی مرتبہ حکمرانوں کے قدم ڈگمگائے مگر، جماعت نے ہر بار آگے بڑھ کر عوامی دباؤ کو بڑھایا اور ایٹمی پروگرام کی حفاظت کے نظام کو موثر بنایا۔ یہ تذکرہ بھی کسی مناسب شکل میں سامنے آنا چاہیے تھا۔

ڈاکٹر ثوبیہ ہاشمی، حیدر آباد

قاہرہ کے خواتین ہسپتال کا حال بڑا خوش گوار محسوس ہوا۔ ہمارے اخبارات مغربی ممالک کی خبروں سے بھرے ہوتے ہیں، مسلم ممالک کی کسی بھی طرح کی خبر ہو' اپنایت کا احساس بیدار ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں، کیا شہر اور کیا دیہات، خواتین بالخصوص ضروری علاج سے بھی محروم ہیں۔ دوسری طرف لیڈی ڈاکٹروں کی اچھی خاصی تعداد مناسب حالات کار نہ ہونے کی وجہ سے اپنی صلاحیت سے معاشرے کو فائدہ نہیں پہنچا رہی۔ ایسے منصوبوں کی ضرورت ہے کہ خواتین، خواتین ڈاکٹروں سے علاج کروا سکیں۔

عبدالرشید بھٹی، کراچی

"مسلم ممالک کے آمر" (جولائی ۹۸) میں نہایت مناسب توجہ دلائی گئی ہے کہ مسلم معاشرے ایک دوسرے کے حالات و مسائل کے بارے میں تاریکی اور بے خبری میں ہیں۔ میڈیا سے مغربی معاشروں کی تصویر کشی ہوتی ہے اور اس طرح مغربی اقدار کی ترویج ہوتی ہے۔ اگر ہمارا میڈیا ایک عام مسلمان کی سطح تک چلا جائے تو ساری مسلم دنیا سے، ہر طرح کے بگاڑ کے باوجود، اسلامی اقدار کی تصویریں سامنے آئیں گی جو تقویت کا باعث ہوں گی۔ نیز ایک دوسرے کے دکھ درد میں شرکت، مصائب کو کسی حد تک کم کرے گی۔ کاش ہمارے بڑے اخبار اہم مسلم ممالک میں اپنے نمایندے رکھنے کے اخراجات کو غیر ضروری نہ سمجھیں۔

ناشط حنیف، کوہاٹ

ترجمان القرآن کو ملک کے ایک عام پڑھے لکھے شخص کے لیے قابل فہم ہونا چاہیے۔ میں خود ایم کام ہوں لیکن بعض مضامین نہیں سمجھ سکتا۔ "اشارات" (جولائی ۹۸) میں نے نصف پڑھنے کے بعد چھوڑ دیے، اتنے طویل بھی نہ ہوں، رسالہ رسالہ رہے، کتاب نہ بنے۔ موضوعات یہی ہوں لیکن زیادہ آسان کریں تاکہ ہر کوئی سمجھے اور قبول کرے۔

ایک مستقل قاری، لاہور

"اشارات" (جولائی ۹۸) بہت اچھے، مگر بہت طویل تھے۔ کیا بہتر نہ تھا کہ اقتباسات کم کر کے، یا صرف ان کا مفہوم دے کر حوالے دے دیے جاتے۔ طویل مضامین سے قارئین کا حلقہ، محدود ہو جانے کا خدشہ رہتا ہے۔ "فہم حدیث" میں شامل احادیث، مختلف موضوعات پر ہیں۔ عنوان "شکر کا رویہ" سے متعلق صرف ایک حدیث ہے۔ مناسب نہ ہو گا کہ ہر بار صرف ایک موضوع پر منتخب احادیث جمع ہوں یا اگر متفرق موضوعات ہوں تو عنوان عمومی نوعیت کا ہو، نہ کہ خاص۔۔۔ مولانا صدر الدین اصلاحی کا مضمون (تحریک اسلامی: زوال سے بچاؤ کی تدابیر) تشنگی کا احساس دلاتا ہے۔ یہ موضوع زیادہ غور و فکر اور تامل و تحقیق کا تقاضا کرتا ہے۔

تنویر احمد راجا، تیر ضلع اسلام آباد

عالم کی شان (جون ۹۸) بہت خوب تھا۔ ہمارے جیسے غافلوں کو خود احتسابی کا موقع ملا۔

انیس احمد خاں، ایبٹ آباد

جماعت اسلامی اور اہل سنت (جون ۹۸) کے حوالے سے مولانا گوہر رحمٰن کے نہایت متوازن اور تسلی بخش جواب پر مولانا کو مبارک باد۔

محمد اختر چکوکا، منچن آباد

"حکمت مودودی" میں توہین رسالت پر انتخاب (جون ۹۸) بہت مناسب تھا۔ "۶۰ سال پہلے" کی یہ تحریر جیسے آج کے لیے لکھی گئی تھی۔

محمد عامر شاد، بہاولنگر

ترجمان میں شہادت امام حسینؓ اور تعلیمی پالیسی جیسے موضوعات پر تحریرات نہ پا کر تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ "عالم کی شان" (جون ۹۸) اور "غض بصر" (مئی ۹۸) جیسے مضامین امید ہے آیندہ بھی آئیں گے۔ اندلس، ترکی اور بغداد میں مسلمانوں کے زوال پر معیاری مضامین کی ضرورت ہے۔

عبدالمتین خان زادہ، کوئٹہ

پاکستان میں تحریک اسلامی کے تنظیمی مسائل، افراد کار کو یکسو کرنے اور فعال بنانے کے لیے اور میدان عمل میں نئی راہوں کے انتخاب کے لیے خود تحریک کی ۶۰ سالہ زندگی میں قابل تقلید نمونے ہوں گے، ان کا ذکر ترجمان کی زینت ہونا چاہیے۔

ابرار احمد، منچن آباد

صنعتی ترقی سے پیدا ہونے والے اخلاقی مسائل (رسائل و مسائل، جولائی ۹۸) کا مسئلہ بظاہر اتنا سادہ محسوس نہیں ہوتا۔ جن مسلم ممالک میں "ترقی" ہو رہی ہے، اخلاقی زوال آ رہا ہے۔ اس مسئلے پر بحث کی ضرورت ہے۔

SUN

گارمنٹس مینوفیکچررز متوجہ ہوں

ہم ❁ ہر قسم کے الاسٹک ❁ Woven لیبل اور ❁ لیس (Lace) تیار کرتے ہیں

برآمدکنندگان کے لئے معتبر نام

احمد لیس ورکس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

آپ کی سہولت کے پیش نظر اب لاہور کے قلب میں

ایک نئے عزم کے ساتھ

اس پتہ پر رجوع فرمائیں

13-A بلاک "S" گلبرگ II ، لاہور

فون: 5762967 ، فیکس: 042-5760086 موبائل: 0342 - 339463

---------------*---------------

فیکٹری D/94 شیرشاہ روڈ سائٹ کراچی

فون: 2561019-2561018-2577950-2577949

2561021-2561020

فیکس 92-21-2414705-92-21-2563487

جہاد کشمیر پڑھیے جہاد میں شریک رہیے

جہاد کشمیر جہاد کشمیر جہاد کشمیر

جہاد کشمیر جہاد کشمیر جہاد کشمیر

جہاد کشمیر جہاد کشمیر جہاد کشمیر

بین الاقوامی معیار کا منفرد جریدہ

محاذ جہاد سے لمحے لمحے کی روداد

قائدین جہاد کے انٹرویوز

غازیوں کی داستانیں

شہیدوں کے روشن روشن تذکرے

کشمیر پر وہ سب کچھ جو آپ جاننا چاہتے ہیں

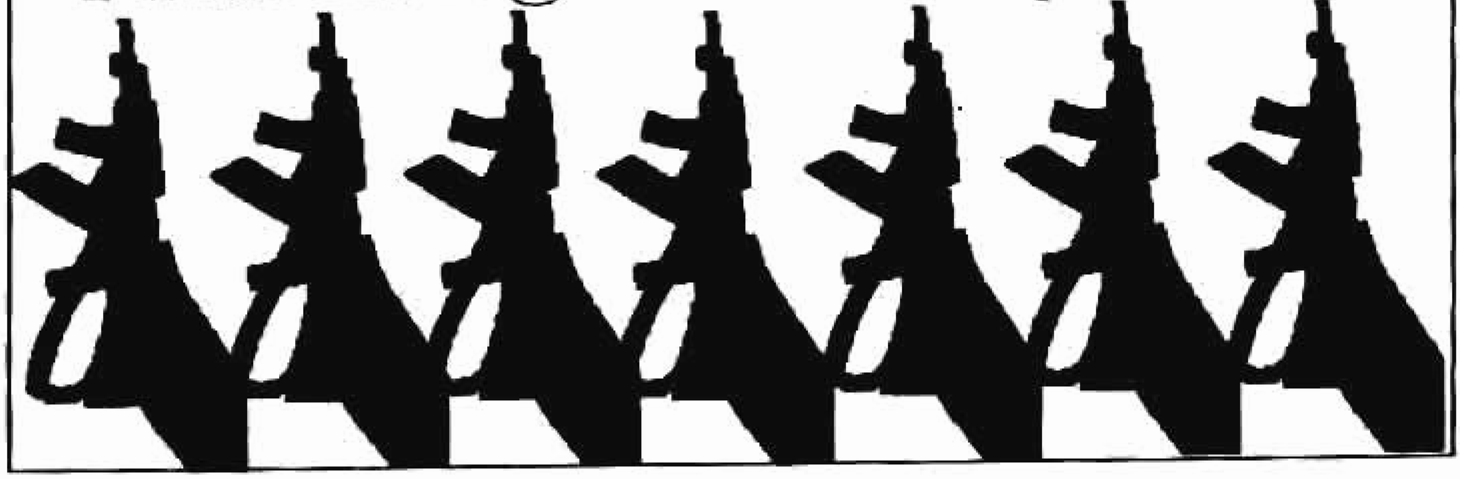
فی شمارہ 15 روپے

سالانہ زرتعاون (پاکستان) 250 روپے

الاکرام بلڈنگ مریڑ چوک، مری روڈ راولپنڈی فون: 554637- 504863

Internet: http://www.jihad-e-kashmir.org.pk

E-Mail: shams@isb.Comsats.net.pk



حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور سے شائع کیا

یہ جاننے کے لیے کہ
پچھلے نوّے سال سے زائد عرصے سے رُوح افزا
کروڑوں شائقین کا پسندیدہ مشروب کیوں ہے،
آپ کو کسی تردّد کی ضرورت نہیں:

صرف

رُوح افزا

کا ایک گلاس نوشِ جاں کیجیے۔



ٹھنڈک اور فرحت لیے تازگی بھرا ذائقہ

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔

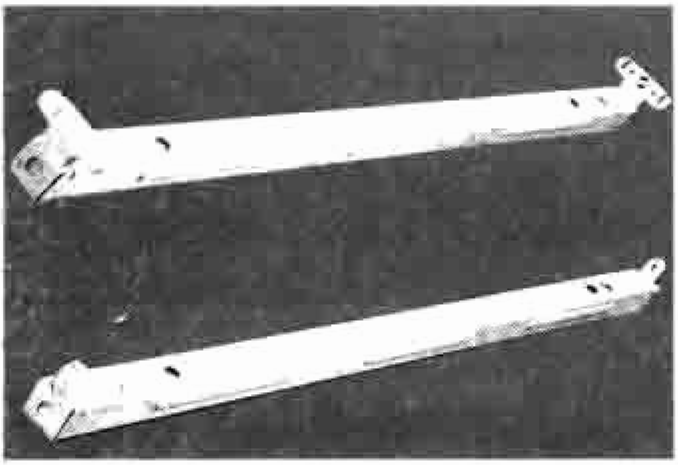
Adarts-HRA-8/97

C.P.L. 236

Phone : 7587916
7585590

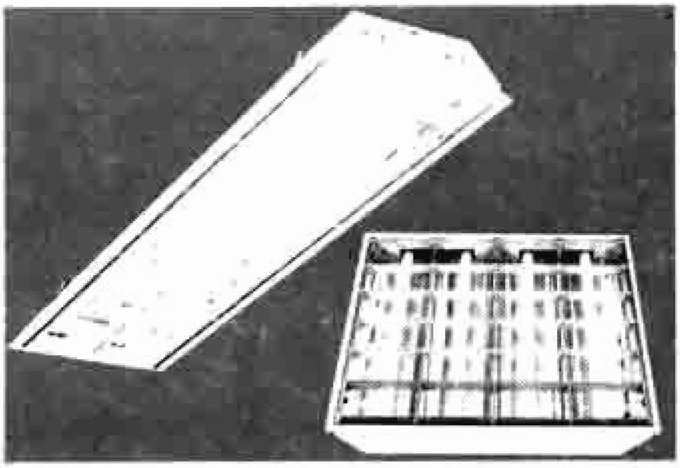
Monthly TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE.

BATTEN LIGHT



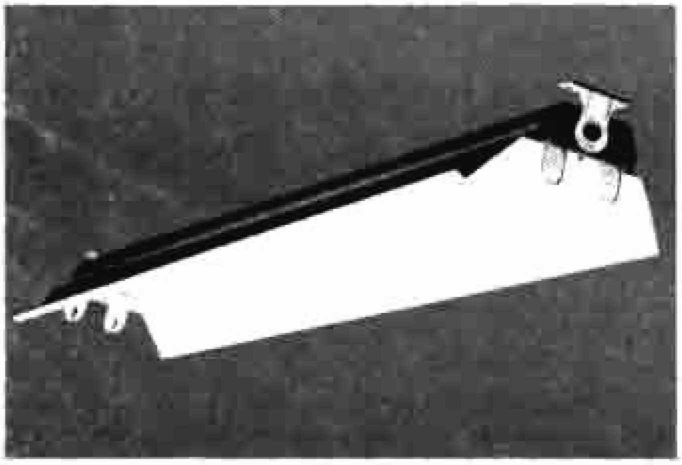
Beautiful slim shape covered ballast tube light fixture for bed rooms, T.V. lounge & drawing rooms etc.

OFFICE LIGHT



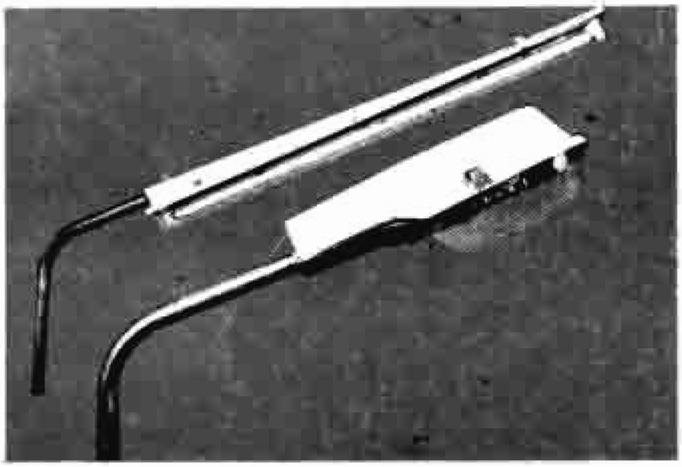
2x2 and 1x4 Recessed and surface fixture with beautiful aluminium louver for maximum and glare free lighting.

INDUSTRIAL LIGHT



Trough fixture with reflector for effective lighting and round the clock operation.

STREET/ROAD LIGHT



Most widely used for streets and roads llighting. Weather resistant and water proof fixtures.

PAKLITE

TUBE LIGHT FITTINGS

PAKLITE ELECTRICAL INDUSTRIES (PVT) LTD.

Sheikhupura Road, Gujranwala, Pakistan. Ph: 0431-272890-93 Fax: 0431-272894